Globethics Repository

Tazkirah Farid Millat: Majmu'ah Madhomin (PART 4)

This page was generated automatically upon download from the Globethics Repository. More information on Globethics see https://www.globethics.net. Data and content policy of Globethics Repository see https://repository.globethics.net/pages/policy.

Item Type	Book
Authors	Al-Husaini, Muhammad Umar Hayyat
Publisher	Manshurat Minhaj al-Quran
Rights	With permission of the license/copyright holder
Download date	2026-06-23 09:18:42
Link to Item	http://hdl.handle.net/20.500.12424/186620

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ

بحیثیت سربراہِ خاندان

(مسز رفعت جبیں قادری)

ایک ایسی عظیم ہستی جن کی روحانی پاکیزگی، علمی وجاہت، فنی عظمت اور دینی خدمات سرزمین جھنگ کے لئے باعث فخر ہیں جو عالم باعمل، صاحب صفا اور عظیم عاشق رسول تھے۔ جن کی حق گوئی دشمنان دین پر بجلی بن کر گرتی جو عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار اور تاجدارِ ختم نبوت ﷺ سے والہانہ عشق کے عظیم پیکر تھے۔ ان اوصاف حمیدہ سے تشکیل پانے والی شخصیت کا نام حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ہے۔ میں ان کی بھتیجی ہوں اور میری یہ خوش نصیبی ہے کہ مجھے ان کی بڑی بہو ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپ میرے والد صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ اس لئے ہم سب بہن بھائی آپ کو تایا جی کہہ کر پکارتے تھے۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کو بچپن ہی سے میرے ساتھ بہت محبت تھی۔ اور میرے ساتھ ہمیشہ خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ آپ کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ آخری دور میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ جبکہ پہلا دور میں نے نہیں دیکھا۔ پہلا دور ان کی جوانی کا دور تھا۔ اس میں عربی اُردو اور فارسی ادب ان پر غالب رہا۔ آپ صاحب دیوان شاعر تھے۔ اور اس زمانے کے اکثر شعراء آپ سے اصلاح لیتے تھے۔ آپ کے دیوان کا نام دیوان فرید تھا (مگر وہ طبع ہوئے بغیر ضائع ہوگیا) آپ کا دوسرا دور خالصتاً علم و فضل دعوت و تبلیغ، درس اور تدریس کا دور تھا اس دور میں آپ نے کثرت سے مطالعہ کیا۔ بڑے بڑے اکابر علماء ان کے ہمنشین تھے۔ تیسرا دور جو ان کا تادم وصال رہا وہ صوفیانہ اور روحانی دور تھا یہ عشق و مستی، درد و سوز اور گریہ زاری کا دور تھا۔ سب کتابیں چھوٹ گئیں صرف ایک کتاب ساتھ رہی جو مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ تھی۔

مثنوی شریف رات گئے تک پڑھتے اور بار بار ہچکیاں لے کر روتے۔ زندگی کی آخری گھڑیوں میں جب آپ پر تین بار ہارٹ اٹیک ہوا اس وقت بھی آپ مصلےٰ پر تھے۔ آپ جوانی میں بڑے ذی وجاہت اور خوبصورت تھے لیکن اس کے باوجود آپ نے تصنع بناوٹ نمود و نمائش اور تکلفات سے پاک زندگی بسر کی۔ آپ فقر و استغناء اور توکل و قناعت کے پیکر تھے۔ آپ نے ہمیشہ اسلامی تعلیمات اور حضور ﷺ کی سنت کے مطابق زندگی بسر کی۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ علیہ کو بحیثیت سربراہ خاندان، جو کچھ میں نے قریب سے دیکھا سنا اور محسوس کیا ان کی زندگی کے چند گوشے اختصار کے ساتھ بیان کرتی ہوں۔

۱۔ بحیثیت سربراہِ خاندان، اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ کے عظیم پیکر

آپ ایک بہت بڑے خاندان کے سربراہ تھے۔ آپ نے اپنی روحانی، علمی، ادبی اور دینی مصروفیات کے باوجود خاندان کے متعلق تمام ذمہ داریوں کو ہمیشہ بہترین طریقہ سے انجام دیا۔ اپنے گھر والوں کا پورا پورا خیال رکھتے اور سنت نبوی ﷺ کے عین مطابق جس حسن و خوبی سے اپنے فرائض انجام دیتے وہ ہم سب کے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ دونوں ازواج آمنے سامنے علیحدہ علیحدہ گھروں میں رہتی تھیں۔ آپ نے سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے دونوں بیویوں سے ہمیشہ عدل و انصاف اور حسن سلوک کا معاملہ رکھا۔ ان کی معمولی سے معمولی ضروریات کا خیال اس طرح رکھا کہ دونوں بیویوں کو کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے آپ کو اہل خاندان کے لئے ہمیشہ حلیم الطبع اور شفقت کا پیکر پایا۔ آپ دور و نزدیک کے تمام رشتہ داروں پر شفقت فرماتے اور اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ان کی خوشی غمی میں شریک ہوتے۔

۲۔ خاندانی معاملات پر عمیق نظر

آپ کی شخصیت کا یہ وصف عظیم تھا کہ شب و روز کی مصروفیات کے باوجود اہل

خاندان کے چھوٹے بڑے تمام معاملات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اتنی مدبرانہ سوجھ بوجھ شاذ و نادر ہی کسی میں پائی جاتی ہے کہ موقع محل کے مطابق معاملات کو نبھایا جائے۔ یہ ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے جب پروفیسر صاحب کے ساتھ میری نسبت طے ہوئی۔ چونکہ میرے والد محترم کا انتقال ہو چکا تھا۔ قبلہ تایا جی رحمہ اللہ نے دعائے خیر کے لئے جھنگ صدر سے جھنگ سٹی مہمانوں کو ہمارے گھر لانا تھا۔ چنانچہ آپ نے گاڑیوں کا انتظام کیا اور مہمانوں کو لے کر ہمارے گھر روانہ ہوئے۔ جب گاڑیاں جھنگ سٹی کے بس سٹاپ پر پہنچیں تو آپ گاڑی سے اتر کر مہمانوں سے پہلے ہی ہمارے گھر تشریف لے آئے ۔ اور گھر کے دروازے پر مہمانوں کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے۔ جب سب مہمان پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قبلہ تایا جی رحمہ اللہ پہلے ہی وہاں ان کے استقبال کے لئے موجود ہیں۔ انہوں نے پوچھا ڈاکٹر صاحب ہم سب آپ کو بس سٹاپ پر دیکھتے رہے اور آپ ادھر پہنچ گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ کچھ افسردہ ہوئے اور فرمانے لگے۔ بھائی غلام محمد تو حیات نہیں ہے اور بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ اس لئے ادھر مہمانوں کا استقبال کون کرتا، اُدھر بھی آپ لوگ میرے مہمان تھے۔ اور اِدھر بھی آپ میرے ہی مہمان ہیں۔ تمام وقت میزبان کی حیثیت سے مہمانوں کی خاطر مدارت خود فرماتے رہے۔ یہ آپ کی شخصیت کی عظمت اور کمال ہے کہ ایک طرف وہ علم و تفقہ، فہم و فراست، عبادت و ریاضت، تبلیغ و خطابت، تدریس و تربیت، صوفیانہ اور روحانی مشاغل اور عالمانہ و محققانہ زندگی کی ان اعلیٰ بلندیوں کے حامل تھے تو دوسری طرف ازدواجی عائلی اور خاندانی زندگی کے معمولی سے معمولی معاملات پر بھی اتنی گہری نظر اور بھرپور توجہ رکھتے اور ان حقوق کی ادائیگی کا شاندار عملی نمونہ پیش فرماتے۔ ان کی زندگی علمی و عملی اور سماجی و عائلی اُمور کی بیک وقت اور بطریق احسن ادائیگی کا مرقع بن گئی تھی۔ ایسی جامعیت اور بھرپور زندگی بڑے لوگوں میں کم ہی نظر آتی ہے۔

۳۔ شفقت پدری کے مختلف مظاہر

آپ کو اپنی اولاد سے بہت زیادہ محبت تھی۔ میں نے آپ کو اپنی اولاد کے لئے ہمیشہ مشفق و مہربان دیکھا۔ یہ ۱۹۶۸ء کا واقعہ ہے قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ ایک خوش خصال، نیک سیرت، خدمت گذار، مونس و غمگسار رفیقہ حیات کا دنیا سے رخصت ہو جانا آپ کے لئے ناقابل برداشت صدمہ تھا۔ لیکن آپ نے صبر و تحمل کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ بچوں کو سینے سے لگایا اور بیک وقت ماں کی محبت اور باپ کی شفقت دی۔ جن دنوں آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوا آپ کی عمر کم و بیش ۴۸ سال تھی۔ آپ تندرست وتوانا تھے۔ بڑے بڑے خاندانی لوگوں نے آپ کو شادی کی پیشکش کی اور اصرار کیا کہ بچے بہت چھوٹے ہیں گھر کے جملہ معاملات کے لئے شادی کرنا بہت ضروری ہے۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ فرمانے لگے میرے معصوم بچے ماں کی مامتا سے محروم ہو گئے ہیں۔ میں ان کو مزید کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا۔ آپ جب تک حیات رہے بچوں کو والدہ کی کمی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ قادری صاحب سے چھوٹی ان کی ہمشیرہ والدہ کے انتقال کے وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھیں۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ نے چھوٹے بہن بھائیوں کی دیکھ بھال اور گھر کے دیگر معاملات نبھانے کے لئے اس کی تعلیم کا سلسلہ منقطع کروا دیا۔ وہ ابھی بچی تھی۔ امور خانہ داری سے ناواقف تھی۔ آپ اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر گھریلو معاملات میں اس کی خود تربیت فرماتے۔ بچوں کی تمام ضروریات پر نظر رکھتے۔ اور جب کبھی کسی بچے کا چہرہ اداس نظر آتا خود بھی اداس ہو جاتے اور فرماتے میں نے تو آپ کو والدہ کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دی۔ پھر آپ کا چہرہ مرجھایا ہوا کیوں ہے۔ اور پھر جب ۲ نومبر ۱۹۷۴ء بروز ہفتہ بمطابق ۱۴ شوال آپ کا وصال ہوا، اس دن بچوں کو ماں کی مامتا اور شفقت پدری دونوں سے محرومی کا احساس ہوا۔ آپ کی شخصیت پدرانہ شفقت کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔ قبلہ تایا جی کے وصال کے بعد پروفیسر صاحب نے اپنی ڈائری میں چند اشعار تحریر فرمائے تھے جو میں یہاں نقل کر رہی ہوں:

سُلا گئی تھیں جنہیں تیری ملتفت نظریں
وہ درد جاگ اُٹھے پھر سے لے کے انگڑائی

عجیب عالم افسردگی ہے رُوبہ فروغ
نہ اب نظر کو تقاضا نہ دل تمنائی

ان آرزوؤں پہ چھائی ہے گردِ مایوسی
جنھوں نے تیرے تبسم میں پرورش پائی

وہ تارے جن میں محبت کا نور تاباں تھا
وہ تارے ڈوب گئے لے کے رنگ و رعنائی

فریبِ شوق کے رنگیں طلسم ٹوٹ گئے
حقیقتوں نے حوادث سے پھر جلا پائی

شفقت پدری کے ضمن میں آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی نصرت جبیں بیان کرتی ہیں۔ میں تقریباً تین سال کی تھی جب میری والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ ابھی میت گھر میں ہی تھی اور میں اپنی عمر کے لحاظ سے جس طرح دوسری خواتین کو روتا دیکھتی ویسے رونے لگ جاتی۔ میرے والد صاحب رحمہ اللہ مجھے بار بار باہر لے جاتے اور کچھ کھلا پلا کر واپس لے آتے۔ میں نے ماں کی شفقت و محبت بھی والد محترم رحمۃ اللہ میں دیکھی۔ آپ مجھے پیار کرتے تھے۔ جب میں سکول جانے لگی تو مجھے سکول کے لئے کھانا اور پھل دے کر بھیجتے۔ میری سہیلیاں مجھے کہتیں تم اپنے ابا جی رحمہ اللہ کی بہت لاڈلی لگتی ہو۔ میں تیسری جماعت میں پڑھتی تھی کہ سخت علیل ہوگئی۔ مجھے تشنج ہوگیا قبلہ ابا جی رحمہ اللہ گھر پر نہیں تھے۔ اسی وقت میرے چچا جان محترم گھر تشریف لے آئے اور فوراً ڈاکٹر کو بلا لائے۔ میں بے ہوشی کی حالت میں بار بار اباجی کو پکار رہی تھی۔ ان کو اطلاع

کی گئی فوراً تشریف لے آئے اور خصوصی توجہ اور شفقت و محبت سے میرا علاج معالجہ کیا۔ ہمارے ابا جان بحیثیت انسان بڑے نیک، عظیم اور رحم دل تھے۔ قبلہ ابا جی رحمہ اللہ نے ہم بہنوں کو کبھی نہیں ڈانٹا تھا، میں جب کبھی اپنی بہنوں سے لڑتی، قصور بھی میرا ہوتا پھر بھی رونا شروع کر دیتی، ابا جی سے بہنوں کی شکایت کرتی۔ وہ میری بڑی بہنوں کو ظاہراً ڈانٹتے اور مجھے پیار کرتے اور فرماتے یہ میرا چھوٹا بیٹا ہے اسے کچھ نہ کہا کرو۔

قبلہ ابا جی رحمہ اللہ گھر کے علاوہ محلے والوں سے بھی خصوصی شفقت فرماتے، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے، یہی وجہ ہے کہ اہل محلّہ آج بھی ابا جان رحمہ اللہ کو یاد کرکے روتے ہیں۔ ستائیس رمضان المبارک کو جب ابا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا اور پھر طبیعت کافی خراب ہوگئی عید والے دن میں بہت رو رہی تھی کہ میں نئے کپڑے نہیں پہنوں گی، میرے ابا جان ٹھیک ہوں گے یا نہیں۔ جب قبلہ ابا جان نے دیکھا تو انہیں بہت دُکھ ہوا فرمانے لگے، میں نے پوری زندگی اسی کوشش میں گزار دی ہے کہ آپ لوگوں کو ہنستا ہوا دیکھوں، بٹیا میں بالکل ٹھیک ہوں آپ لوگ عید منائیں مجھے بہت خوشی ہوگی۔ اس طرح اباجی قبلہ رحمہ اللہ کی تکلیف بڑھتی گئی اور پھر انہیں ہسپتال داخل کروا دیا گیا۔ جب ہسپتال روانہ ہو رہے تھے تو میں بار بار پوچھتی ابا جان آپ کب واپس آئیں گے۔ وہ خاموش ہو جاتے، میں ہسپتال جاتی تو مجھے سینے پر لٹا کر پیار کرتے۔ اور پھر ایک صبح ہمیں اپنی شفقتوں سے محروم کر کے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ قبلہ ابا جی رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

۴۔ اہل وعیال سے حسن وسلوک

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ حسن سلوک میں بہتر ہو۔ اور میں اپنے واہل وعیال کے ساتھ حسن سلوک میں سب سے بہتر ہوں۔ جب میں حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی شخصیت کا اس ارشاد نبوی ﷺ کی روشنی میں جائزہ لیتی ہوں تو وہ سنت نبوی ﷺ کی اتباع کے پیکرِ عظیم نظر آتے

ہیں۔ میں نے آپ کی اپنی اہلیہ محترمہ (پروفیسر صاحب کی والدہ ماجدہ) کے ساتھ بطور شوہر حسن سلوک کا مشاہدہ سال ہا سال کیا ہے۔ قبلہ قادری صاحب کی چھوٹی ہمشیرہ مسرت جبیں کی پیدائش کے بعد چچی جان سخت علیل ہوگئیں۔ بعد ازاں اس تکلیف سے افاقہ ہوا تو دوسری تکلیف میں مبتلا ہوگئیں۔ اس سے صحت یاب ہوئیں تو مزید علالت میں پے درپے مبتلا رہیں۔ ان کی طویل علالت کا ان کی وفات سے دو سال پہلے تک سلسلہ جاری رہا۔ مجموعی طور پر چودہ سال کا عرصہ مختلف طرح کی علالتوں میں گذرا۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ نے کمال درجہ صبر وتحمل ذمہ داری ویکسوئی اور ثابت قدمی کے ساتھ علاج معالجہ جاری رکھا۔ بلکہ پورے عرصے میں ایک لمحے کے لئے بھی ان کی زوجہ محترمہ کی طویل علالت ان کے لئے گراں ثابت نہ ہوئی۔ بڑی بڑی نازک صورت حال اور پریشانیوں میں ان کی پیشانی پر بل تک نظر نہ آیا اور ان کا حسن سلوک ایک اعلیٰ معیار پر اوّل سے آخر تک ہمہ وقت قائم رہا۔ ان کے متعلقین ہمیشہ ان کی دائمی اور یکساں حسن سلوک پر متحیر رہتے۔ اولاد کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۵۲ء میں جبکہ پروفیسر صاحب کی عمر تقریباً ایک سال تھی اور ان دنوں قبلہ تایا جان حسو بلیل میں جو کہ جھنگ سے بتیس میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے، تعینات تھے۔ یہ غالباً دسمبر جنوری کا مہینہ تھا رات کے وقت اچانک قبلہ قادری صاحب کی طبیعت بہت سخت خراب ہوگئی آپ کو نمونیہ ہوگیا۔ شدید انفیکشن کی وجہ سے حالت بڑی تشویش ناک ہوگئی۔ جو ادویات اس وقت ان کے پاس ہسپتال میں موجود تھیں ان کے استعمال کے باوجود افاقہ نہ ہوا۔ کچھ خصوصی انجیکشن دینے کی ضرورت محسوس ہوئی جو وہاں میسر نہ تھے۔ یہ آج سے تقریباً سینتیس برس پہلے کی بات ہے تب دسمبر جنوری کی راتوں میں سردی کی شدت کا آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس وقت کوئی کنوینس یا گاڑی بھی میسر نہ تھی رات کے وقت اس روٹ پر کوئی ٹرانسپورٹ بھی نہیں چلتی تھی۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ رات یخ بستہ سردی میں تیس میل کا سفر سائیکل پر طے کر کے جھنگ صدر پہنچے، رات ہی کو کوئی بڑا میڈیکل سٹور کھلوا کر متعلقہ دوائیاں اور انجیکشن خریدے اور اسی حالت میں پھر بتیس میل کا سفر طے کر کے واپس حسو بلیل پہنچے۔ سردیوں

کی طویل یخ بستہ رات میں مسلسل چونسٹھ میل کا سفر کر کے جب حسو بلیل پہنچے تو فجر کی اذان ہو رہی تھی آتے ہی انہوں نے اپنے لختِ جگر کو انجیکشن لگائے اور ادویات دیں۔ تھوڑی دیر بعد طبیعت سنبھل گئی۔ اس واقعہ سے نہ صرف ان کی اولاد پر بے پناہ شفقت اور محبت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ساتھ ہی ان کی شخصیت میں داعیہ محنت و ریاضت، تحمل و جانفشانی سخت کوشی اور نہایت درجہ عزیمت و استقلال کا بھی پتہ چلتا ہے۔

۵۔ اولاد کی پرورش اور تربیت کا قابلِ رشک انداز

حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی شخصیت اولاد کی پرورش اور تربیت کے معاملے میں ایک قابل رشک انداز کی حامل تھی۔

۱۔ آپ زبانی نصیحتیں بڑے دلنشین انداز میں فرماتے اور ایسے خوبصورت پیرائے میں کہ بات دل میں اُتر جاتی۔

۲۔ اس سلسلے میں ہر روز تھوڑا سا وقت اپنی اولاد اور اہل خانہ کے لئے مختص فرماتے ان کو پاس بٹھا کر تعلیم و تلقین فرماتے۔ بزرگان دین کی حکایات، حکیمانہ تمثیلات، احادیث نبوی ﷺ اور سنت نبوی ﷺ کے حوالہ جات اور قرآنی واقعات کے حوالے سے تربیت فرماتے تھے۔

۳۔ زندگی کے مختلف اُمور میں اپنے تجربات اور مشاہدات کا نچوڑ بڑے مؤثر اور پُر حکمت انداز میں اولاد کے سامنے رکھتے۔ اور انہیں عقلی استدلال اور بصیرت افروز انداز سے زندگی کے درست راستوں پر گامزن رہنے کی تلقین کرتے۔

۴۔ اپنے عملی سیرت و کردار کے ذریعے اپنی اولاد کے لئے حقیقی تربیت کا سامان مہیا فرماتے کیونکہ ان کی اپنی شخصیت میں نہ قول و فعل کا کوئی تضاد تھا اور نہ ہی ظاہر و باطن میں کوئی فرق، اس امر کا مشاہدہ جب ان کی اولاد اہل خانہ اور اہل خاندان اپنی آنکھوں سے کرتے اور ان کے طرز زندگی کی برکات اور ان پر اللہ تعالیٰ کے بے حساب احسانات

اور انعامات کا نظارا بھی اپنی آنکھوں سے کرتے تو اس طرح ان میں بھی اس طرز زندگی کو اپنانے کا شوق پیدا ہوتا۔

۵۔ ان کے انداز تربیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ کسی ایک فرد کو اس کی غلطی پر دوسروں کے سامنے بالمشافہ نشاندہی کرنے کی بجائے اس کی موجودگی میں تمام حاضرین کو اجتماعی خطاب کرتے اور سب کے لئے مشترک نصیحت کے طور پر گفتگو فرماتے۔ مگر اس خاص پہلو پر اس انداز سے زور دیتے کہ متعلقہ شخص خود بخود سمجھ کر اپنی اصلاح کر لیتا۔

۶۔ اولاد کی تربیت میں بالعموم شفقت و محبت عفو و درگزر اور پیار کی فراوانی غالب رہی مگر کبھی کبھی حسب ضرورت تنبیہ بھی فرماتے اور بعض مواقع پر سخت ضرورت کے پیش نظر تھوڑی زیادہ بچوں کی پٹائی سبق سکھانے کے لئے کرنا پڑتی تو بھی گریز نہ کرتے۔

۷۔ ان کے انداز تربیت میں ایک نمایاں پہلو یہ بھی تھا کہ مختلف گھریلو معاملات اور اُمور حیات میں فیصلہ کرتے وقت اپنی چھوٹی بڑی سب اولاد کو شریک مشورہ کرتے اور کھل کر اپنی رائے دینے اور اس پر بحث و تمحیص کا موقع دیتے، خود اطمینان سے ان کی تجاویز سنتے۔ بعد ازاں اپنی رائے دیتے، اس طریقے سے وہ اپنی اولاد میں معاملہ فہمی، اظہار رائے اور قوت فیصلہ جیسے جواہر پیدا فرماتے تھے۔ اس معاملہ میں قبلہ قادری صاحب کی رائے کو ہمیشہ ترجیح دیتے کئی بار ان کے مشورے پر اپنی ذاتی رائے تبدیل فرما لیتے۔ اور کئی اہم فیصلے بھی انہوں نے ان کے مشورے کے مطابق کئے۔

۸۔ اولاد کی تربیت کے ضمن میں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے وہ سفر و حضر دونوں حالتوں میں اپنی اولاد کو بالعموم اور قبلہ قادری صاحب کو بالخصوص ساتھ رکھتے۔ اور کثرت کے ساتھ ان کو اپنی مجلس اور صحبت کا موقع فراہم کرتے اس طرح انہوں نے آپ کی مجلسوں اور صحبتوں سے وہ کچھ حاصل کیا جو ہزاروں کاوشوں سے انسان حاصل نہیں کر سکتا۔

۹۔ آپ کے انداز تربیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ جب کبھی کوئی غیر معمولی صورت حال پیدا ہو جاتی اور ظاہری اسباب و وسائل کے حوالے سے حالات پریشان کن ہوتے اور اُمید اور حوصلہ مندی کا کوئی امکان دکھائی نہ دیتا تو ایسے حالات میں اپنی اولاد کو اور بالخصوص قادری صاحب کو خصوصاً متوجہ فرماتے اور سمجھاتے کہ اب اس کام کی انجام دہی میں ظاہری اسباب بالکل معدوم ہو چکے ہیں مگر دیکھنا اللہ تعالیٰ اچانک غیب سے کیا اسباب پیدا فرماتا ہے اور یہ کام انشاء اللہ ظاہری اسباب کے خلاف بھی ہو کر رہے گا۔ ان کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ بہت جلد حقیقت کا روپ دھار لیتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہی کچھ ہو جاتا جو انہوں نے فرمایا ہوتا۔ ایسی صورت احوال کا مشاہدہ کر کے ایمان اور یقین کو غیر معمولی پختگی اور استقامت نصیب ہوتی۔ یہ انہی کا فیضان تربیت ہے کہ قبلہ قادری صاحب کی زندگی میں بھی عائلی سماجی، معاشی، اقتصادی، سیاسی یا قومی نوعیت کے تمام معاملات میں اس طرح کا پختہ یقین اور عزم راسخ بدرجہ اُتم موجود ہے اور میں نے انہیں پچیس سالہ ازدواجی رفاقت کے دوران عجیب سے عجیب تر حالات کے اندر بھی مایوس ہونا تو درکنار ایک لمحے کے لئے پریشان ہوتے بھی نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی کبھی ان کے ذہن پر بوجھ دیکھا ہے۔ یہ غیر معمولی کرشماتی یقین اور اعتماد بلاشبہ ان کے والد گرامی رحمہ اللہ کا براہِ راست فیضان ہے۔ ان کے اور ان کے اہل و عیال کے درمیان تکلف دوری اور جھجک کی کوئی دیوار حائل نہ تھی۔ اور ان کی اس مشفقانہ روش سے جملہ اہل خاندان کے اندر ان سے قریب تر ہونے کا شوق فراواں رہتا۔ ان کے انداز شفقت میں یہ بات بھی شامل تھی کئی بار اپنے سے چھوٹے افراد حتیٰ کہ کم سن بچوں کا نام بھی شفقت محبت اور عزت افزائی سے لیتے۔ ہمیں یاد ہے کہ قبلہ قادری صاحب کو بچپن میں بھی ہمیشہ طاہر صاحب کہہ کر بلاتے۔ خط کتابت میں بھی ہمیشہ طاہر صاحب لکھتے۔ ہر بچے سے اس کی طبیعت اور مزاج کے مطابق برتاؤ کرتے۔

٦۔ اولاد کی ضروریات و جائز خواہشات کی تکمیل پر خصوصی توجہ

اپنی اولاد کی جملہ ضروریات کی تکمیل کا بروقت خیال رکھتے۔ ان کی جائز خواہشات کو پورا کرنے میں کبھی بھی متامل نہ ہوتے۔ آپ کی بڑی صاحبزادی مسرت جبیں بیان کرتی ہیں۔ ’’میں ابھی آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی کہ والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا۔ بہنوں میں چونکہ میں بڑی تھی اس لئے بہن بھائیوں کی تمام ذمہ داریاں مجھے سنبھالنی تھیں۔ میں ابھی چھوٹی تھی، اُمور خانہ داری سے ناواقف تھی اس لئے والد صاحب گھریلو معاملات میں میری تربیت فرماتے۔ میں اپنے بہن بھائیوں کی ضروریات کے بارے میں قبلہ ابا جی کو بتاتی اور وہ ضرورت کی ہر چیز ہمیں مہیا کرتے اور چیزوں کے خریدنے میں ہماری پسند و ناپسند کا خیال رکھتے۔ بھائی جان اکثر کہتے ابا جان آپ ان کو چیزیں پسند کروانے میں اتنی غیر معمولی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں۔ اپنی پسند کی خرید دیا کریں تو والد صاحب فرماتے بیٹیاں گھر بیٹھی ہوتی ہیں اس لئے انہیں گھر میں ہی ان کی پسند کے مطابق چیز لے کر دینی چاہیے۔ میرا بہت خیال رکھتے فرماتے میری بیٹی بہت چھوٹی تھی کہ اس پر گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ آگیا ہے۔ میں ابھی کم سن تھی کہ ایک دن ابا جان نے مجھے فرمایا بیٹا اب آپ باقاعدگی سے نماز پڑھا کرو آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ نے بہت جلد صوم و صلوٰۃ کا پابند بنا دیا۔ اور چھوٹی عمر سے ہی کبھی نماز قضا نہ کی حتیٰ کہ میری والدہ صاحبہ کی میت گھر پر موجود تھی تمام خواتین رو رہی تھیں۔ نماز فجر کا وقت ہوگیا میں نے اُٹھ کر نماز ادا کی اور پھر والدہ صاحبہ کی میت کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ ہم جلد ہی اپنے مشفق و مہربان والدہ سے محروم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔‘‘

حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی منجھلی بیٹی ثروت جبیں بیان کرتی ہیں۔ ہمارے ابا جان بہت عظیم انسان تھے ہمیں بہت پیار کرتے تھے۔ میں ۱۰ سال کی تھی جب میری والدہ محترمہ کا انتقال ہوا انہوں نے ہمیں کبھی بھی والدہ محترمہ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

ہماری ہر خواہش کا خیال کرتے ہم نے جب جوتے اور کپڑے خریدنے ہوتے قبلہ اباجی رحمہ اللہ جوتے اور کپڑے گھر پر منگوا لیتے اور ہمیں پسند کرواتے۔ ہر اچھی سے اچھی چیز ہمیں منگوا کر دیتے۔ ہماری چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کا ذاتی طور پر خیال رکھتے اور ہماری ہر طرح سے دلجوئی فرماتے۔

۷۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی پرورش میں مشفقانہ کردار

قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ ہماری دادی جان انتہائی نیک سیرت متقی، پرہیز گار اور بڑی سادہ مزاج خاتون تھیں۔ سب بیٹیاں بیٹے ابھی بہت چھوٹے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ اسی طرح ہمارے دادا جان بھی پرانی وضع کے درویش منش، بڑے نیک، صالح اور سادہ مزاج انسان تھے۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ چونکہ تمام بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی پرورش، تعلیم و تربیت، شادی بیاہ اور ملازمت وغیرہ تمام دیگر معاملات کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ میرے والد محترم رحمہ اللہ ہمیشہ فرماتے تھے کہ آج میں آپ کے سامنے جو کچھ ہوں اور جس مقام پر ہوں یہ سب میرے بڑے بھائی یعنی قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی ایک ہی بہن تھیں یعنی ہماری پھوپھی جان کچھ گھریلو اختلافات کی وجہ سے شادی کے بعد وہ سسرال میں چند سال ایڈجسٹ نہ ہوسکیں۔ ایک طویل عرصہ میکے میں رہیں ان کے دو بچے بھی تھے آپ ان کی کفالت فرماتے اور ان کی جملہ ضروریات کا ہمیشہ اپنی سگی اولاد کی طرح خیال رکھتے بچوں کو کبھی اپنے والد سے دوری کا احساس تک نہ ہونے دیا۔

ہمارے چچا جان حاجی محمد اسماعیل بیان کرتے ہیں میرے برادر بزرگ حضرت ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ نہایت شفیق، ہمدرد اور محسن انسان تھے۔ انہوں نے چھوٹے بہن بھائیوں کی کفالت کا مثالی نمونہ پیش کیا۔ میرے والد محترم میاں خدا بخش صاحب رحمہ اللہ طبیعت کی سادگی اور محدود آمدنی کے باعث ہم چاروں بھائیوں کی تعلیم کو

پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ جس کے باعث ہمیں مختلف فنی اور طبی کاموں کی سکھلائی کے لئے بٹھا دیا گیا۔ چونکہ حضرت فرید الدین صاحب رحمہ اللہ کو تعلیم کا ازحد شوق تھا۔ لہٰذا اس سلسلے میں وہ والدین کی اجازت سے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر اپنا ہمہ جہتی تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور ساتھ ہی ساتھ طب و حکمت کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ جب لکھنؤ سے واپس تشریف لائے تو تمام خاندان کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد انہیں شدت سے احساس ہوا کہ والدصاحب اپنی کم آمدنی کے باعث بھائیوں کی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے اور اس وجہ سے انہیں مختلف کاموں پر لگا دیا ہے۔ انہوں نے اپنے تینوں بھائیوں محمد فرید، غلام محمد اور محمد اسماعیل کو مختلف کلاسوں میں سکول میں داخل کروا دیا اور تعلیمی اخراجات کی ذمہ داری خود اُٹھا لی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ گھر پر ٹیوشن کا بھی اہتمام کیا۔ تاکہ گزشتہ کمی جلد پوری ہو سکے۔ اس دوران ان کی تعیناتی رورل ہیلتھ سینٹر شاہ جیونہ میں ہوگئی۔ ان کے احساس ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ ہر روز ہسپتال کے اوقات کے بعد گھر جھنگ تشریف لے آتے گھر کی ضروریات زندگی کا فکر کرتے اور بروقت مہیا کر کے چین لیتے۔ عرصہ دراز تک ان کا یہی معمول رہا۔ سردی گرمی، موسم کی شدت کا بھی لحاظ نہ کرتے ہوئے گھر روزانہ آنا اور گھریلو معاملات کی دیکھ بھال ان کا معمول تھا۔ سب سے پہلے بھائی محمد فرید نے میٹرک تک تعلیم مکمل کی تو انہیں محکمہ ریونیو میں ملازم کروا دیا۔ شومئ قسمت کہ وہ اچانک بیمار ہوگئے۔ جوں جوں علاج کیا مرض بڑھتا گیا آپ کے علاوہ ڈاکٹر دیوراج اور دونی چند جھنگ کے بڑے معروف ڈاکٹر تھے۔ ان سے بھی علاج کروایا۔ اس کے بعد ان کو میو ہسپتال لایا گیا۔ میو ہسپتال والوں نے شملہ (کشمیر) جا کر ریسٹ کے لئے مشورہ دیا محدود وسائل کے باوجود تمام بندوبست کر کے بھائی کو شملہ لے گئے وہاں جا کر علاج جاری رکھا۔ تقریباً دو ماہ وہاں گذارنے کے بعد ان کو واپس لے آئے مگر وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ بھائی محمد فرید کی وفات کے منظر کو قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ایک نظم ’’ایک روح‘‘ میں بیان کیا۔ کیونکہ وہ ایک زبردست شاعر اور ادیب بھی تھے اس کے بعد ہم دونوں بھائیوں کی تعلیم مکمل کروا کر میرے بڑے بھائی غلام محمد کو نائب تحصیلدار کروایا اور

مجھے ریلوے میں ملازمت دلوائی اسی دوران ان کا تبادلہ لالیاں ہوگیا۔ میں ان دنوں لائل پور (فیصل آباد) میں تھا۔ ان کی اپنی تعلیمی جدوجہد کا یہ عالم تھا کہ علوم و فنون میں تکمیل کے باوجود تحصیل علم کا شوق فروتر تھا۔ روزانہ لالیاں سے فیصل آباد تشریف لاتے۔ حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر دوبارہ حدیث اور بعض فنون کی کتابوں کا درس لیا یہ ان کا ہر روز کا معمول تھا۔ شام کو میرے پاس تشریف لے آتے قیام فرماتے اور تفصیلاً گھر کے حالات دریافت فرماتے تب جا کر انہیں سکون قلب نصیب ہوتا۔ آپ نے والد کی حیثیت سے ہماری شادیاں کیں۔ جب میرے بھائی غلام محمد نائب تحصیلداری کی ٹریننگ سے فارغ ہوئے تو ان کا امتحان پپلاں ضلع میانوالی میں منعقد ہوا۔ وہ ان دنوں سخت بیمار ہوگئے۔ آپ ان کے ساتھ پپلاں گئے کمرہ امتحان میں بھی حسب ضرورت ان کا علاج جاری رکھا۔ ڈاکٹر صاحب خود سادہ زندگی بسر کرتے لیکن ہمیں موسم کے لحاظ سے اچھے سے اچھا کپڑا مہیا کرتے۔ وہ ہمیشہ باوضو رہتے اور درود شریف کا ورد جاری رکھتے وہ اپنی ذمہ داریوں کی وجہ سے کئی کئی دن تک اگر گھر تشریف نہ لاسکتے تو ہسپتال کے کسی ملازم کے ہاتھ خیریت معلوم کروا لیتے اور گھریلو اخراجات کے لئے پیسے بھجوا دیتے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں ہمیں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنے دیا۔ ہر قسم کی تکلیف خود برداشت کر کے ہمارے لئے آسودگی کا اہتمام فرماتے۔ قبلہ والد صاحب رحمہ اللہ کو گھر پر آرام فرمانے کے لئے اکثر کہا کرتے۔ ان کی خدمت کو حرز جاں بنائے رکھتے اور ہر ضرورت کا کما حقہ خیال فرماتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔

۸۔ مرحوم بھائی کی بیوہ اور بچوں پر غیر معمولی شفقت

میرے والد محترم مہر غلام محمد مرحوم حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ بڑے نیک سیرت، باکردار اور صالح انسان تھے۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمۃ اللہ کو ابا جی قبلہ سے بہت محبت تھی۔ ابا جی قبلہ بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ مجھے اچھی

طرح یاد ہے بچپن میں جب ہم سب بہن بھائی اپنے والدین کے ہمراہ عیدین کے موقع پر یا ویسے حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ اور ان کی فیملی سے ملنے جھنگ صدر جاتے وہ ہم سب کو مل کر بہت خوش ہوتے۔ اور تواضع کے لئے انواع و اقسام کے لوازمات دیکھتے ہی دیکھتے مہیا کر دیتے۔ ہمارے اباجی قبلہ کے ساتھ دوستوں کی طرح گھریلو خاندانی اور دیگر معاملات پر کھل کر بے تکلفی سے بات چیت کرتے، سب کے ساتھ ان کی طبیعتوں کی فرحت کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے بڑے لطیف پیرائے میں مزاح بھی فرماتے۔ جس سے محفل باغ و بہار بن جاتی اس وقت بھی ہمارے معصوم ذہن محسوس کرتے تھے کہ والدین کے علاوہ بھی ایک مشفق و مہرباں ہستی ہمارے سروں پر موجود ہے۔ جب کبھی اباجی قبلہ حج پر جاتے آپ پوری فیملی کی خصوصی دعوت کا اہتمام فرماتے اور جس دن انہوں نے روانہ ہونا ہوتا بڑی شفقت و محبت سے روانہ کرتے۔

حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی بھاوج میری والدہ ماجدہ فرماتی ہیں یہ ۱۹۵۳ء کی بات ہے جب حضرت ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمہ اللہ مجھے بیٹیوں کی طرح بیاہ کر اپنے گھر لائے۔ میں نے آتے ہی یہ محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ رحمہ اللہ والد ماجد کی سرپرستی کے باوجود اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کا اپنی اولاد کی طرح خیال رکھتے۔ ہم سب ایک ہی گھر میں اکٹھے رہتے تھے لیکن ملازمت کے سلسلے میں ہمیں دوسرے شہروں میں جانا پڑتا تھا۔ جب کبھی ہم واپس آتے تو ڈاکٹر صاحب قبلہ رحمہ اللہ کی شفقتیں ہماری منتظر ہوتیں۔ ہمارا ہر طرح سے خیال رکھنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ میرے شوہر کے ساتھ اچھے دوستوں کی طرح سلوک رکھتے۔ میری شادی کے بعد قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے سب سے پہلے مجھ سے قرآن پاک سنا پھر مجھے اس کے معنی بتائے بہت سی مفید نصیحتیں کیں اس طرح اس جہاندیدہ ہستی نے اپنی زندگی کے بیش بہا تجربات کا لب لباب پیش کیا بچپن جوانی اور بڑھاپے میں کام آنے والی مفید نصیحتیں کیں ان کی نصیحتیں آج بھی بچوں کے لئے شفیق استاد، جوانوں کے لئے ناصح و مشفق اور بوڑھوں کے لئے یار و مددگار ہیں۔ انہوں نے

مجھے زندگی گذارنے کے لئے اسلامی طور طریقوں سے بھی آگاہ کیا۔ ہمارے گھرانے میں شروع سے ہی پردے کی بہت پابندی تھی۔ انہوں نے اس سلسلے میں بھی بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ ان کی نصیحتیں زندگی کے ہر موڑ پر ہمارا سرمایہ سفر ہیں۔ جو آج بھی ہمارے ذہنوں میں اسی طرح نقش ہیں۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہر سال حج یا عمرہ کے لئے تشریف لے جاتے واپسی پر میرے اور بچوں کے لئے تحائف وغیرہ لاتے تھے۔ یہ ۱۹۶۳ء کی بات ہے جب مجھے اور میرے شوہر مرحوم کو حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ فریضہ حج ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے ہمیں بہت سی زیارتیں کروائیں۔ جو آج تک ہمارے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ اس طرح زندگی کی گاڑی چلتی رہی وقت گذرتا رہا۔ یہ ۱۰ جون ۱۹۷۲ء کی بات ہے۔ جب میری ہنستی بستی زندگی میں ایک بہت بڑا سانحہ پیش آیا۔ میرے عظیم شوہر کا شکر گڑھ کے سیلاب زدگان کو اپنی نگرانی میں ڈسکہ میں فنڈز تقسیم کرواتے ہوئے ہارٹ اٹیک سے انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر اس وقت بیالیس سال تھی۔ ان دنوں ہم ڈسکہ ضلع سیالکوٹ میں رہائش پذیر تھے۔ میرے بچے بہت چھوٹے تھے۔ میت کو ہم ڈسکہ سے جھنگ شہر لائے وہاں میری والدہ ماجدہ رہتی تھیں۔ میرے شوہر کے انتقال کا حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو بہت صدمہ ہوا۔ اکثر فرماتے تھے مہر صاحب مرحوم میرا بہت پیارا بھائی تھا ان کی کمی میں بہت شدت سے محسوس کرتا ہوں۔ میرے شوہر کی وفات کے ڈیڑھ ماہ بعد میرے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے اس کا نام عظمت اللہ رکھا۔ اور اس کے ساتھ خصوصی محبت و شفقت کرتے۔ اس کی خیریت معلوم کرنے ہر دوسرے تیسرے دن جھنگ صدر سے تشریف لے آتے۔ بچے کو گود میں اُٹھاتے، پیار کرتے اور پھر بڑے شوق اور محبت کے ساتھ اپنے بڑے بیٹے طاہرالقادری کی نسبت میری بڑی بیٹی سے طے کی۔ اس موقع پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور جھنگ صدر سے جھنگ سٹی ہمارے گھر بہت سے مہمانوں کو لائے اور دعائے خیر فرمائی۔ آپ جلد از جلد اپنی بھتیجی کو بہو کے روپ میں اپنے گھر دیکھنا چاہتے تھے۔ شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی آپ نے بڑی چاہت اور محبت سے شادی کی

تیاریاں شروع کر دیں۔اور پھر ستائیس رمضان المبارک کو آپ کو ہارٹ اٹیک ہوا تقریباً تین ہفتے سخت علیل رہے۔اور اپنے بیٹے کی شادی سے چند دن پہلے وصال فرما گئے اس طرح ہم ایک مشفق و مہربان ہستی سے محروم ہو گئے ۔ میں اور میرے بچے اتنی بڑی عظیم ہستی کی محبتوں اور شفقتوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔مَیں آج بھی صمیم قلب سے آپ کے لئے بلندی درجات کی دعا مانگتی ہوں۔

مَیں یہاں سیلاب والا ایک واقعہ عرض کرونگی۔ یہ ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے ۔ضلع جھنگ میں بہت بڑا سیلاب آیا۔جس نے پورے ضلع کو تباہ کر کے رکھ دیا۔صرف چند علاقے محفوظ رہ سکے۔ جھنگ شہر کو سیلاب کی وجہ سے بہت نقصان پہنچا۔جب قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ سیلاب سے جھنگ شہر میں بہت نقصان ہوا ہے تو آپ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی کہ میری بھاوج اور بچے کس حال میں ہونگے۔ ہماری خیریت معلوم کرنے کے لئے صبح پانچ بجے گھر سے چلے، پانی آپ کے کندھوں تک تھا آپ تمام راستہ پانی کے اندر بہت سی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے سہ پہر تین بجے جھنگ شہر ہمارے گھر تشریف لائے۔سیلاب کی وجہ سے بچے بہت پریشان تھے، آپ کو دیکھتے ہی بچوں کے چہروں پر رونق آگئی۔حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب کی طبیعت سارا دن پانی میں سفر کرتے ہوئے بہت خراب ہوگئی تھی۔ آپ کو ٹمپریچر ہو گیا، لیکن اس کے باوجود آپ نے ہمیں تکلیف اور تھکن کا احساس نہ ہونے دیا۔اور پھر اگلے دن ہماری خیریت معلوم کرنے کے بعد اسی طرح پیدل پانی کو عبور کرتے ہوئے واپس تشریف لے گئے۔

محترم ماموں مقصود احمد قادری بیان کرتے ہیں:

حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی محترم مہر صاحب مرحوم نے بچپن ہی سے میری پرورش، تعلیم و تربیت ایک بیٹے اور بھائی کی طرح کی۔اس لئے مجھے حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا بحیثیت سربراہ خاندان بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع میسر آیا۔ میں نے زندگی میں بہت سے سربراہ خاندان دیکھے ہیں جو صرف اپنے

اہل و عیال کی تعلیم و تربیت اپنے زیر سایہ کی۔ انہیں اچھی سے اچھی ملازمتیں دلوائیں پھر ان کی شادیاں کر کے اپنے اپنے گھروں میں آباد کیا۔ اور پھر جب تک حیات رہے ان کی طرف سے غافل نہیں رہے۔ میں نے ہمیشہ دیکھا کہ جب آپ کے دونوں بھائی ملازمتوں کے سلسلے میں دوسروں شہروں میں مقیم تھے تو آپ ہر ماہ بھائیوں کی خیریت معلوم کرنے تشریف لے جاتے۔ ان کو خوشحال دیکھتے تو بہت مسرور ہوتے۔ جب کبھی ان کو کوئی مسئلہ درپیش آتا، دن رات سفر طے کر کے ان کے مسائل حل فرماتے۔ جس طرح اپنے بھتیجے بھتیجیوں کے ساتھ محبت شفقت فرماتے میرے ساتھ بھی بیٹوں کی طرح محبت شفقت فرماتے۔ شاید ایسی شفقت و محبت مجھے اپنے قریبی رشتہ داروں کی طرف سے بھی میسر نہ تھی۔ ان کی شخصیت اور اخلاق کی بلندیوں کا عظیم پہلو یہ بھی تھا کہ اپنے سے چھوٹوں کو بھی صاحب کہہ کر بلاتے۔ مجھے بھی اکثر مقصود صاحب کہہ کر بلاتے۔ یہ ان کی شخصیت کا کمال ہے۔ اپنے بھائی کے انتقال کے بعد اپنے بھتیجے بھتیجیوں کے ساتھ خصوصی شفقت روا رکھی۔ اپنی بھاوج اور بچوں کی ہمیشہ دلجوئی کرتے اور فرماتے کہ میری طرف سے کوئی ایسی معمولی سی بات بھی نہ ہو جس کا میری بھاوج اور بچوں کو دکھ پہنچے۔ مجھے فرماتے، بیٹا مقصود جس طرح بھائی غلام محمد نے ہمیشہ آپ کے ساتھ بیٹے اور بھائی جیسا سلوک روا رکھا ہے اب ویسے ہی تم میرے لئے بھی ہو۔ مجھے بھی ہمیشہ ویسی شفقت و محبت دی، جیسے اپنے بھائی کی اولاد کو دی۔ ایک دفعہ آپ حج بیت اللہ ادا کرنے تشریف لے گئے مجھے فرمانے لگے تمہارے لئے کیا لاؤں میں نے ایک گھڑی کی فرمائش کی واپسی پر میرے لئے ایک خوبصورت نایاب گھڑی لائے۔ جھنگ میں اس سے پہلے ایسی گھڑی میں نے کسی کے پاس نہیں دیکھی تھی۔ گھڑی پر ریڈیم سے پیلے اور سبز رنگ میں سعودیہ کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا اور پھر جس طرح ایک والد کو اپنی اولاد کے ذریعہ معاش اور شادی وغیرہ کی فکر ہوتی ہے اسی طرح میری اماں حضور سے فرماتے ''بے بے جی'' مقصود کی ملازمت کا بندوبست میں کروں گا، آپ بالکل فکر نہ کریں۔ اور پھر ملازمت کے لئے کئی محکموں میں کوشش بھی کی۔ رشتہ داری اور قرابت داری کا ہمیشہ خیال فرماتے تھے۔ یہ

۱۹۵۶ء کا واقعہ ہے میرے حقیقی ماموں کی شادی تھی وہ لوگ کسی وجہ سے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو بروقت اطلاع نہ کر سکے۔ آپ اپنے بھائی باوج اور بچوں کی خیریت معلوم کرنے کے لئے مندرہ ضلع راولپنڈی پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ رحمہ اللہ کو اپنی بھاوج سے معلوم ہوا کہ مہر صاحب گوجرانوالہ شادی پر گئے ہوئے ہیں۔ اپنی بھاوج سے فرمانے لگے آپ کے ماموں کی شادی ہے اس طرح میرے عزیز بھی ہوئے اور دوست بھی اور میں نہ پہنچوں، یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے انہوں نے دعوت نامہ بھیجا ہو لیکن مجھے ملا نہ ہو اسی وقت وہاں سے گوجرانوالہ میرے ماموں کی شادی پر روانہ ہوگئے کوئی اور ظاہری نام و نمود اور جھوٹی عزت و وقار کا پجاری شخص ہوتا تو ایسا کبھی نہ کرتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دائمی عزت و شہرت سے نوازا ہے۔

چونکہ گھر کا ماحول بڑا مذہبی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی کے عین مطابق تھا۔ گھر میں مکمل پردہ داری تھی۔ قریبی رشتہ داروں سے بھی پردہ ہوتا تھا۔ بغیر اطلاع کئے کوئی عزیز بھی اندر گھر میں نہیں آ سکتا تھا۔ یہ عید الفطر کا دن تھا آپ کے وصال سے چند دن قبل میں آپ کی مزاج پرسی کے لئے آپ کے گھر حاضر ہوا، آپ کی بڑی بیٹی کچھ چائے پانی میرے لئے لائی لیکن پردہ اور حجاب میں، فرمانے لگے بیٹا یہ آپ کی چچی جان کا بھائی ہے۔ اور دلہن رانی کا ماموں ہے اس سے پردہ نہ کیا کرو اور باجی جان نام لے کر فرمایا کہ جب یہ دلہن بن کر تمارے گھر آجائے گی تو یہ ملنے آئیں گے، آپ پردہ کریں گی تو کہیں میری بھاوج اور دلہن بیٹی کو دکھ نہ پہنچے۔ قبلہ تایا جان کو مجھے بہو کے روپ میں اپنے گھر دیکھنے کی اتنی تمنا تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی دنیاوی معاملے میں آپ کو اتنی خواہش کا اظہار کرتے نہیں دیکھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آپ شادی سے چند دن قبل وصال فرما گئے۔ میں حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے آخری دیدار کی کرامت کا ذکر کرنا چاہتی ہوں جو آپ کی پوری زندگی کا نچوڑ ہے۔ جسے فلک نے دیکھا، فرشتوں نے ہزاروں، سوگوار آنکھوں کو دکھلایا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ان

برگزیدہ بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ جن کی زندگی حقوق اللہ اور حقوق العباد اور قرابت داروں اور رشتہ داروں کے حقوق کی بجا آوری میں صرف ہوتی ہے۔ جب اس ولی اللہ کا جنازہ ان کی وصیت کے مطابق قبلہ قادری صاحب کی امامت میں پڑھنے کے بعد جنازہ گاہ کے صحن میں دیدار عام کے لئے رکھا گیا اور کفن کے بند کھولے گئے۔ رب ذوالجلال کی عزت کی قسم حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا چہرہ حقیقتاً پوری آب و تاب کے ساتھ مانند ماہتاب چمک رہا تھا اور آپ حقیقتاً مسکرا رہے تھے، بے ساختہ لوگوں کے منہ سے سبحان اللہ نکلا۔ قبلہ قادری صاحب کے قریبی ساتھیوں نے بے اختیار آپ کو بہ آواز بلند مبارک دی کہ دیکھو اللہ کا ولی لوگوں کو یہ سبق دے رہا ہے کہ میں نے اپنی ساری زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی میں گذار دی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا و عطا کا نظارہ کس طرح کرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔

محترم صبغت اللہ قادری بیان کرتے ہیں:

حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کے بارے میں کم سنی میں جو مشاہدہ کیا ہے اس کے مطابق ان کی شخصیت بہت بڑی روحانی شخصیت تھی اور وہ کامل متوکل انسان تھے۔ ہمارے والد محترم کی وفات کے بعد انہوں نے ہمارے سروں پر اسی طرح دست شفقت رکھا کہ ہمیں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی اہلیہ کا انتقال ہو چکا تھا ان کے اپنے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، اس کے باوجود وہ ہماری سرپرستی سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ ملازمت کے سلسلے میں گھر سے باہر تشریف لے جاتے اور روزانہ شام اپنے گھر واپس آتے ۔ ہفتہ میں ایک رات ہمارے گھر بسر کرتے۔ میں چونکہ گھر میں بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اولیاء کرام کے ارشادات اور معجزات کی روشنی میں نصیحتیں فرماتے۔ طرز تکلم میں اس قدر شائستگی کہ آپ اپنے سے چھوٹے بھائیوں کا نام بھی بڑے پیار و محبت سے لیتے ۔نام کے ساتھ صاحب ضروری لگاتے، اکثر ہمارے والد صاحب کو مہر صاحب اور چچا جان کو اسماعیل صاحب کہہ

کر پکارتے، جب ہمارے گھر تشریف لاتے اندر داخل ہونے سے پہلے آواز دیتے۔ صبغت اللہ اور پھر اندر تشریف لاتے۔ آپ ہر چھوٹے بڑے پر کمال شفقت فرماتے جہاں بھی تشریف لے جاتے بے پناہ ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔

محترم شفقت اللہ قادری بیان کرتے ہیں:

حضرت قبلہ تایاجی کی ہمہ گیر، ہمہ جہت اور سدا بہار شخصیت کا احاطہ کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ تاہم انکی شفقت و محبت کے بحر بیکراں میں غوطہ زنی کی کوشش کر رہا ہوں تاکہ عقیدت کے چند گوہر دامن قرطاس پر بکھیر سکوں جو نہ صرف میرے بلکہ ہر پڑھنے والے کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں۔ میں ذاتی مشاہدات میں سے صرف وہ واقعات تحریر کر رہا ہوں جس سے آپ کی بھرپور سرپرستی اور ذمہ داری آشکار ہوتی ہے۔ یہ واقعہ ۱۰ جون ۱۹۷۲ء کا ہے۔ جب قبلہ والد صاحب حرکت قلب بند ہونے کے باعث انتقال فرما گئے۔ اچانک خبر ملتے ہی گھر میں کہرام برپا ہوگیا۔ میں کم سن اور ناتجربہ کار تھا بڑے بھائی میٹرک کا امتحان دینے کے بعد اپنے آبائی وطن جھنگ آئے ہوئے تھے۔ باقی سب بہن بھائی مجھ سے چھوٹے تھے۔ پہلے تو خبر سنتے ہی مجھ پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ تاہم خداوند قدوس نے حوصلہ دیا اور ایک سرکاری اہلکار کی معرفت ایکسچینج پہنچا اور جھنگ حضرت قبلہ تایاجی رحمہ اللہ کو الد صاحب کی وفات کی خبر دی۔ ٹیلی فون پر رابطہ سب سے پہلے آپ نے فرمایا ''بیٹا والدہ اور دوسرے بہن بھائیوں کا خیال رکھنا میں فوری طور پر ڈسکہ پہنچ رہا ہوں۔ گھبرانا نہیں آپ سب کو جھنگ میں خود لے آؤں گا۔'' یہ الفاظ سنتے ہی پردیس میں میری ڈھارس بندھی۔ آنسو خشک ہوگئے، حوصلہ بلند ہوا فوری عرض کیا تایا جان آپ فکر نہ کریں۔ میں خود میت جھنگ لا رہا ہوں، انتظامیہ خصوصی تعاون کر رہی ہے۔ قبلہ تایاجی رحمہ اللہ خود آنے پر اصرار فرماتے رہے کہ بیٹا یہ میری ذمہ داری ہی نہیں قرض ہے۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی قسم کی فکر کی کیا ضرورت ہے۔ میری بات مان لی۔ جب تک ہم ڈسکہ سے جھنگ کے لئے روانہ ہوئے قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کے بیسیوں فون آئے۔

بڑے متفکر اور منتظر رہے۔ کہیں کوئی رکاوٹ یا پریشانی نہ ہو بچہ ہے گھبرا نہ جائے۔ لیکن ہم چھ بجے شام ڈسکہ سے روانہ ہوئے اور بوقت فجر جھنگ میں داخل ہوئے آپ نے راستے میں ہی ٹرک روکا اور ہم سب بہن بھائیوں کے سروں پر دست شفقت رکھا۔ آنسو پونچھے، سینے سے لگایا گھر لے گئے تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی والدہ محترمہ سے مخاطب ہوئے، فرمایا جس طرح آج سے ۱۹ سال پہلے بھاوج ہی نہیں بلکہ بہو اور بیٹی بنا کر لایا تھا بچوں کا سر ننگا نہ سمجھنا، آج سے میری باقی زندگی دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ ایک حصہ اپنی اولاد اور دوسرا حصہ بھائی کی اولاد کے لئے وقف ہے۔ کیونکہ ہم اپنے ننہال میں رہنے لگے تھے۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ ملازمت کے سلسلے میں شہر سے باہر رہتے۔ ہفتہ میں دو چھٹیاں کرتے ایک دن رات اپنی اولاد کی سرپرستی اور تربیت میں صرف فرماتے اور دوسرا دن اور رات ہماری سرپرستی اور تربیت میں صرف فرماتے۔ قبلہ والد محترم کا سایہ تو ہمارے سروں سے اُٹھ گیا۔ لیکن شفقت پدری اور سرپرستی کی کمی ہرگز محسوس نہ ہوئی۔ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تقریباً دو سال تک رہا ۱۹۷۴ء آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔ اور اس دن ہمیں احساس ہوا کہ ہم یتیم ہو گئے ہیں اور پھر ہماری پہاڑ کی طرح بلند حوصلہ والدہ محترمہ نے ہمیں والد اور والدہ کی دوہری محبت میں پروان چڑھایا۔

۹۔ جملہ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک اور خاندانی ذمہ داریوں کی قابل تقلید بجا آوری

ان کی عظیم شخصیت اہل خاندان کے معمولی سے معمولی معاملات میں بھی دلچسپی لینے میں کبھی مانع نہ ہوئی۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب خاندان کے جملہ رشتہ داروں کے ساتھ بہت اچھا سلوک روا رکھتے۔ خاندان کا کوئی فرد عمر بھر یہ گمان نہ کرسکا کہ انہوں نے کسی کے حقوق کی ادائیگی میں معمولی سی کوتاہی کی ہو۔ وہ اہل خاندان کے معمولی سے معمولی معاملات پر بھی گہری نظر رکھتے۔ محترم شفقت اللہ قادری بیان کرتے ہیں: حضرت

قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کی سربراہی ذمہ داری اور احساس کا ایک واقعہ یہ بھی ہے۔ جب ایک دفعہ معمول کے مطابق ہماری خیریت معلوم کرنے ہمارے گھر تشریف لائے اس وقت میں اپنی والدہ محترمہ سے بھینس کا چارہ لانے پر نہ صرف انکاری تھا۔ بلکہ جھگڑ رہا تھا کہ میں کیوں لاؤں بڑے بھائی خود لائیں اور والدہ صاحبہ خاصی پریشان اور ناراض تھیں جیسے ہی قبلہ تایا جی رحمہ اللہ گھر کے اندر داخل ہوئے آپ کو دیکھتے ہی والدہ صاحبہ نے میری فوری شکایت کر دی کہ یہ بہت تنگ کرتا ہے ضدی ہے کہنا نہیں مانتا شفقت پدری جوش میں آگئی مجھے پکڑ کر اوپر لے گئے علیحدگی میں خاموشی سے پٹائی کی اور سختی سے فرمایا اگر آئندہ والدہ کے لئے پریشانی کا باعث بنے اور گستاخی کی تو سخت سزا دوں گا۔ بظاہر تو یہ تنبیہ اور پٹائی گراں گذاری لیکن بعد ازاں مجھے سربراہی اور سرپرستی کا عظیم درس دے گئی۔ یہ ماں سے گستاخی پر سزا بھی تھی۔ ایسے حالات میں والدہ سے تعاون کا درس بھی دیا اور دوسرے بہن بھائیوں سے مجھے چھپا کر سزا دی تاکہ عزت نفس مجروح نہ ہو۔ آج تک ان کی عظیم شخصیت پر بلندی درجات کے لئے دعا گو ہوں میں نے آپ کو ہمیشہ دیکھا کہ خاندان کے غریب رشتہ داروں کا بہت خیال رکھتے۔ قبلہ تایا جی کے ننھیال کسی گاؤں میں رہتے ہیں۔ ایک ماموں تھے ان سے اور ان کی اولاد کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ ان کی خوشی غمی کے موقع پر بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی فیملی کو ساتھ لے کر جاتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ان کے معمولی سے معمولی کام کو بڑی دلچسپی سے کرتے ان میں جب کبھی کوئی بیمار ہوتا ان کو گاؤں سے جھنگ صدر اپنے گھر ٹھہراتے اور خصوصی توجہ سے ان کا علاج معالجہ کرتے۔ ان کے علاوہ بھی خاندان کے دور و نزدیک کے رشتہ داروں میں کسی کو مدد کی ضرورت ہوتی تو مدد فرماتے ان کے ہر دکھ سکھ میں شریک ہوتے۔

راقمہ کے ذاتی تاثرات

حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ مجھ سے خصوصی شفقت اور محبت فرماتے تھے۔ میں پندرہ شعبان (شب برات) کو پیدا ہوئی۔ آپ نے سنا تو بہت خوش ہوئے۔ مٹھائی بانٹی

اور فرمایا یہ بیٹی بہت قسمت والی ہے۔ اس کو حج کی سعادت نصیب ہوگی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے آپ مجھے اکثر فرماتے تھے کہ تم میری بہت پیاری بیٹی ہو، جب بھی آپ ہمارے گھر تشریف لاتے آپ کی بزرگی رعب اور دبدبہ کی وجہ سے میں جھجک محسوس کرتی اور آپ کے پاس نہ بیٹھتی۔ آپ مجھے اپنے پاس بلاتے مجھ سے چائے بنوا کر نوش فرماتے اور بہت اچھی اچھی نصیحتیں فرماتے۔ پھر جب قادری صاحب کے ساتھ میری نسبت طے کی تو آپ بہت خوش تھے اکثر قریبی رشتہ داروں کو فرماتے میری پیاری بھتیجی بہو بن کر ہمارے گھر آئے گی تو مجھے دلی مسرت ہوگی، میرے لئے خصوصی زیورات اور ملبوسات تیار کروائے اور شادی کی تمام تیاریاں مکمل کیں۔ ستائیس رمضان المبارک کو آپ کو ہارٹ اٹیک ہوا عید کے دن تک تکلیف بہت بڑھ چکی تھی۔ ڈاکٹر نے بیڈ سے اُٹھنا منع کر دیا تھا۔ آپ ہمیشہ عید والے دن نماز عید سے فارغ ہوتے ہی ہمارے گھر تشریف لاتے تھے، لیکن اس عید کے موقع پر آپ علالت کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔ میری والدہ صاحبہ کو پیغام بھیجا کہ بیٹی کو ملوانے کے لئے لے آئیں۔ میں اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ گئی۔ جب میں کمرے میں داخل ہوئی مجھے دیکھتے ہی بیڈ سے اُٹھنے لگے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور مجھے فرمانے لگے بیٹیا میری یہ دلی خواہش تھی کہ میں تمہیں خود بیاہ کر اپنے گھر لے آؤں لیکن شاید اب یہ خواہش پوری نہ ہو سکے (شاید یہ آپ کا کشف تھا۔ کیوں کہ ایسے ہی ہوا) اور پھر کافی دیر مجھے اپنے پاس بٹھائے رکھا۔ آپ کی تکلیف دن بدن بڑھتی گئی اور پھر ڈاکٹروں کے مشورہ سے ہسپتال ایڈمٹ ہوگئے۔ شادی کو چند دن باقی تھے مجھے ہسپتال بلا بھیجا۔ مجھے دیکھتے ہی آنکھیں بھر آئیں اور پھر کافی دیر تک میرے چہرے کی طرف دیکھتے رہے۔ شادی کی تاریخ موخر کردی گئی۔ ۱۶ شوال کو وصال فرما گئے۔ اور آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد ہماری شادی ہوئی۔ نئے گھر میں بے پناہ محبت کرنے والی ایک شفیق و مہربان ہستی کو نہ پا کر میں بہت اداس رہنے لگی اور شادی کے کچھ دن بعد میں سخت علیل ہوگئی۔ قبلہ قادری صاحب نے میرا بہت علاج معالجہ کروایا لیکن تکلیف بڑھتی گئی سب گھر والے بہت پریشان تھے ایک دن تکلیف کے دوران ہی میری آنکھ لگی تو خواب میں حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ

تشریف لے آئے اور مجھے فرمانے لگے بٹیا تمہاری تکلیف کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں آپ لوگوں نے بہت علاج کروایا ہے لیکن آرام نہیں آرہا۔ فلاں جگہ پر میری طب کے موضوع پر قلمی کتابیں پڑی ہیں، فلاں صفحہ نوٹ کرلو اس پر نسخہ درج ہے اور قبلہ قادری صاحب کا نام لیا ان سے کہیں آج ہی یہ نسخہ تیار کروالیں۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خواب کا ذکر قبلہ قادری صاحب سے کیا اور نسخہ کا نمبر نوٹ کروایا۔ آپ نے فوراً متعلقہ کتاب اُٹھائی اور صفحہ دیکھا تو وہ میری تکلیف کے عین مطابق تھا۔ نسخہ بہت زیادہ قیمتی تھا۔ آپ نے نسخہ فوراً تیار کروایا پہلی خوراک دی تو تکلیف میں کچھ کمی ہوئی اور پھر ایک ماہ میں مکمل آرام آگیا۔ یہ ان کی عظیم کرامت تھی۔ حضرت قبلہ تایا جی رحمہ اللہ کو وصال سے پہلے بھی مجھ سے بہت محبت تھی اور پھر وصال کے بعد ہمیشہ خواب کی صورت میں خصوصی شفقت فرماتے ہیں۔ جب گھر میں کوئی تکلیف پریشانی ہو تو تشریف لاتے ہیں۔ دعا فرماتے ہیں مجھے تسلی دیتے ہیں اور خصوصی ہدایات فرماتے ہیں اور مجھے دلی تسکین ہوتی ہے۔ میں نے ہمیشہ ایک نہایت مشفق و مہربان، مدبر، غمگسار، صاحب حکمت و بصیرت ہر ایک کے دکھ درد بانٹنے والے اور ہر ایک کی ضرورتوں کی کفالت کرنے والے سربراہ خاندان کو دیکھا۔ ان کے اہل و عیال تو کیا ان کے دور و نزدیک کے رشتہ داروں میں بھی کوئی شخص عمر بھر یہ گمان نہ کرسکا کہ انہوں نے کسی کے حقوق کی ادائیگی میں معمولی سی کوتاہی کی ہو۔ ان کی شخصیت کا کمال تو یہی تھا ایک طرف وہ علم و تفقہ فہم و فراست، عبادت و ریاضت، تبلیغ و خطابت، تدریس و تربیت، صوفیانہ اور روحانی مشاغل اور عالمانہ و محققانہ زندگی کی ان اعلیٰ منزلوں پر فائز تھے جہاں ہر زمانے میں کم ہی لوگ ان منزلوں کو طے کرتے ہیں۔ دوسری طرف ازدواجی عائلی اور خاندانی زندگی کے معمولی سے معمولی معاملات پر بھی اتنی گہری نظر اور بھرپور توجہ فرماتے اور حقوق کی ادائیگی کا وہ شاندار عملی نمونہ پیش فرماتے کہ ان کی زندگی اعلیٰ اور ادنیٰ اُمور کی بیک وقت حسین ادائیگی کا عظیم مرقع بن گئی تھی۔ ایسی جامعیت اور بھرپور زندگی بہت کم نظر آتی ہے جو جوں وہ زندگی کے کسی ایک گوشے اور علم و عمل اور فن کے کسی ایک پہلو میں آگے بڑھتے ہیں توں توں ان کی زندگی

کے دوسرے گوشے اور ان کی ذمہ داریوں کے کئی دیگر پہلو نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ زندگی کے فرائض کی انجام دہی میں مذہبی، علمی، روحانی دنیاوی ازدواجی اور خاندانی جملہ اُمور کو بیک وقت اعتدال اور کمال توازن کے ساتھ انجام دینا تاریخ میں کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ہمارے آقا حضور خاتم النبیین ﷺ کی سیرت طیبہ کا طرۂ امتیاز بھی یہی ہے کہ ان جیسا حسن اعتدال اور حسن توازن عالم انسانیت میں کسی کو نصیب نہیں ہوا اور بڑے عظیم ہیں وہ لوگ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ کے اس پہلو کا فیض نصیب ہوا ہے۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ایسے چند افراد میں سے ایک ہیں جن کو سیرت نبوی ﷺ کے اس پہلو کا خصوصی فیضان نصیب ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کے فیوضات و برکات سے ہم سب کو فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

حضرت فریدِ ملتؒ

اکابرین اور معاصرین کی نظر میں

(ڈاکٹر رحیق احمد عباسی)

ا۔ حضرت فرید ملتؒ کے دیرینہ دوست مولانا عبد الستار خان نیازیؒ کے تاثرات

ڈاکٹر فرید الدین قادری مرحوم و مغفور سے میرے دیرینہ دوستانہ روابط تھے۔ اِن کی شخصیت میں عجب شان محبوبیت تھی۔ جب کبھی میرا جھنگ کا دورہ ہوتا وہ خصوصی اہتمام کے ساتھ ملاقات کے لئے تشریف لاتے۔ اور بعض اوقات کسی وجہ سے وہ ملنے کے لئے تشریف نہ لا سکتے تو میں خود آپ کی رہائش پر ملاقات کے لئے پہنچ جاتا۔ کئی بار جامع مسجد پرانی عید گاہ میں مختلف کانفرنسوں میں شریک ہوا جن میں وہ بھی تشریف لاتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور ایک عالم باعمل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ہر تیسرے سال سعادت حج مبرور سے فیض یاب ہوتے تھے۔ انہوں نے ایران، عراق، شام اور دمشق کے سفر بھی کئے۔ وہ ہر ملک میں بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دیتے اور فیض پاتے تھے۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی شیأً للہ کے وہ مرید خاص اور عاشق زار تھے۔ انہوں نے کئی ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن میں ان کا اولیاء کاملین کے ساتھ روحانی رابطے کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ کے مزار پر اپنی حاضر کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ جب میں مزار اقدس پر گیا تو دروازے بند تھے۔ میری خواہش تھی کہ اندر جا کر شیخ عطار رحمہ اللہ سے روحانی فیض حاصل کروں۔ لیکن دروازہ بند ہونے پر پریشانی ہو رہی تھی اور سوچ رہا تھا کہ کیا کروں کہ اچانک مزار کا خادم میرے

پاس آیا۔ اس کی بیوی دردِ زہ میں مبتلا تھی اس نے مجھ سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ حسن اتفاق سے میرے سوٹ کیس میں ایک ٹیکہ موجود تھا۔ میں نے خادم اور مجاور خاص کو تسلی دی۔ اور اسے بتایا کہ میں ڈاکٹر ہوں۔ چنانچہ میں نے اس کی بیوی کو انجکشن لگایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑی آسانی کے ساتھ بچے کی پیدائش ہوگئی۔ اس پر مجاور بہت خوش ہوا۔ اس نے میرے لئے مزار کے دروازے کھول دیئے اور مجھے اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا۔

اسی طرح انہوں نے جامع مسجد امویہ دمشق میں ابدال سے ملاقات کا ذکر کیا کہ ایک رات مقام خضر علیہ السلام پر آخر شب دعا کی کہ اے اللہ ابدالوں کی جماعت کے کسی فرد کی زیارت کا شرف عطا فرما۔ اور اس طرح کہ مجھ سے وہ ہم کلام بھی ہو۔ اور میں اسے پہچان بھی سکوں۔ دعا کے بعد نماز فجر ادا کی۔ اور پھر حضرت یحیٰی علیہ السلام کے مزار اقدس پر سلام و فاتحہ کے لئے حاضر ہوا کہ اچانک ایک خوبرو سیاہ ریش عربی نوجوان مجھ سے مخاطب ہوا کہ ڈاکٹر فریدالدین صاحب کیا آپ نے مجھے پہچانا۔ میں نے جواب دیا کہ میں آپ کو نہیں پہچانتا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں آپ کی دعا ہوں۔ میں نے ان سے مصافحہ کیا اور ان کا نام پوچھا فرمانے لگے۔ میرا نام عبدالعزیز ہے۔ میں یمن کا رہنے والا ہوں اور عرصہ تین سال سے شام میں متعین ہوں۔ میں اب آپ سے مسجد نبوی میں دوبارہ ملوں گا۔ اب آپ میرا تعاقب نہ کریں اور السلام علیکم کہہ کر تشریف لے گئے۔ کافی عرصہ بعد جب میں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے سرزمین عرب پہنچا تو مسجد نبوی میں میری ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمہ اللہ نے مجھے بتایا کہ انہیں لیلۃ القدر کی سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمہ اللہ نے حکمت اور ڈاکٹری کے ساتھ ساتھ درس نظامیہ کی تحصیل بھی کی ہوئی تھی۔ اور اکابر اساتذہ سے اکتساب علم کیا تھا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت ہے۔ جب بھی حج پر جاتے وہاں سے اپنے بیٹے ''طاہرالقادری'' کے لئے کتابیں ہمراہ لاتے تھے۔ کئی بار انہوں نے جلسوں میں اپنے بیٹے کی تقریر پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ اور مجھے بتایا کہ

مجھے اس بچے میں سعادت کے آثار نظر آتے ہیں۔ انشاء اللہ یہ علمی اور دینی حلقوں میں امتیازی مقام حاصل کرے گا۔ڈاکٹر طاہرالقادری نے کچھ دنوں کالجز میں بطور لیکچرار کام کیا۔ اور وکالت کی پریکٹس بھی کی۔ لیکن ان کے والد ماجد کی خواہش یہ تھی کہ وہ مرکز علم و ادب اور دین و دانش مدینۃ الاولیاء لاہور منتقل ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کئے کہ ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب لاہور آگئے۔ یہاں پر ان کو ایسے مواقع ملے جن سے وہ اپنے علمی فضل و کمال کے اوج پر پہنچے اور اہل اسلام کو بھی فیض یاب کیا۔

ڈاکٹر فریدالدین صاحب کی وفات کے بعد میں ان کی تعزیت کے لئے حاضر ہوا۔ اور پھر ان کی رسم قل میں بھی شرکت کی۔ ڈاکٹر صاحب کے روحانی تصرفات کا ذکر ان کے صاحبزادے نے کئی بار ہمارے سامنے کیا۔ ایک واقعہ انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہ اپنی بیگم کی علالت کے سلسلہ میں بے حد پریشان تھے۔ اور ڈاکٹر حکیموں نے مایوس کر دیا تھا۔ ان حالات میں والد ماجد نے خواب میں انہیں بتایا کہ میری بیاض میں فلاں صفحہ پر جو نسخہ لکھا ہوا ہے وہ استعمال کرو۔ شیخ الاسلام نے مجھے بتایا کہ وہی نسخہ میں نے استعمال کروایا اور اللہ تعالیٰ نے میری بیگم کو شفائے عاجلہ و کاملہ نصیب فرمائی۔ ڈاکٹر فریدالدین رحمہ اللہ کا اخلاص محبت اور خاکسار کے ساتھ والہانہ تعلق ایسی حسین یادداشت ہے جو میرے لئے قلبی سکون کا باعث ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے طاہرالقادری صاحب سے بھی مسلسل محبت اور خلوص کا تعلق قائم ہے۔ ان کے بچے ان کی بیگم اور ان کے اہل خاندان سب کو میں اپنے خاندان کے افراد سمجھتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اپنے رسالے میں ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کے احوال زندگانی مرتب کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ ان کے فرزند دلبند اپنے عظیم والد مہربان کے ملفوظات، مکاشفات اور کرامات کو جمع کر کے اس نعمت غیر مترقبہ میں سب لوگوں کو مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں۔ میں اپنے احباب کی فہرست میں ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمہ اللہ کے خلا کو بڑی شدت سے محسوس کرتا ہوں۔ بہرحال اپنا روحانی تعلق قائم ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مومن کامل کو حیات طیبہ عطا

کی جاتی ہے۔

نور قدیمی را بر افروز دست کلیمی در آستینی

از مرگ ترسے زندہ جاوید مرگ است صیدے تو در کمینی

جانے کہ بخشند دیگر نہ گیرند آدم بہ میرد از بے یقینی

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور کو اللہ تعالیٰ نے حیات ابدی عطا کی ہے۔ اور وہ اس وقت بھی فضا قدس میں پرواز کرتے ہوئے ہمارے احوال سے باخبر ہیں۔ اور ان کا ہمارے ساتھ تعلق ہر وقت قائم و دائم ہے۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار

جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے فرزند دلبند کو بھی اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر قائم و دائم رکھے انہیں بھی روحانیت کا وہی مقام عطا کرے جو ان کے والد ماجد کو حاصل تھا۔

۲۔ حضرت فرید ملتؒ کے دیرینہ دوست ڈاکٹر احسان صابری صابری قریشی کے ایمان افروز انکشافات

قومی ڈائجسٹ، شمارہ اپریل ۱۹۸۹ء میں شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے حوالے سے حضرت فرید ملت قادری علیہ الرحمہ کے علمی و روحانی مقام اور دینی خدمات کے بارے میں شائع شدہ بعض حقائق کے بیان پر مولانا صلاح الدین یوسف، ایڈیٹر ’الاعتصام‘ نے اپنے شمارہ جولائی ۱۹۸۹ء میں بعض گمراہ کن سوالات اُٹھائے تھے۔ جن

کا جواب حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے ایک دیرینہ دوست محترم ڈاکٹر احسان صابری قریشی (ایم۔اے (پنجاب)، پی سی ٹی (لندن)، ایم۔ڈی۔ ایچ (کلکتہ)) نے دیا ہے۔

مولانا صلاح الدین یوسف ایڈیٹر''الاعتصام'' نے قومی ڈائجسٹ بابت ماہ جولائی ۱۹۸۹ء میں علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کے والد محترم مولانا ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے متعلق قومی ڈائجسٹ شمارہ اپریل ۱۹۸۹ء کے حوالے سے کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اہل حدیث تصوف و سلوک کے سلسلوں کو نہیں مانتے۔ وہ تو شریعتِ اسلامیہ کی چار مشہور فقہوں کے بھی قائل نہیں (حنفی۔شافعی۔مالکی۔حنبلی) حالانکہ علمائے بریلی اور علمائے دیوبند ان کے قائل ہیں۔ نیز وہ طریقت کے چار سلسلہ ہائے کے بھی قائل نہیں (چشتی۔ قادری۔نقشبندی۔ سہروردی)۔ حالانکہ علمائے بریلی اور علمائے دیو بند ان چہار سلسلہ ہائے تصوف وسلوک کے قائل ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد حسن تو اپنے نام کے آگے چشتی صابری کے الفاظ لکھا کرتے تھے۔

میری پہلی ملاقات

میں اور ڈاکٹر فرید الدین تقریباً ہم عمر ہیں۔ میرا اِن سے رابطہ تب ہوا تھا جب وہ سیالکوٹ میں مولانا محمد یوسف کشمیری رحمہ اللہ سے دینی تعلیم حاصل کرنے آئے تھے۔ اور میرے تایا ڈاکٹر محبوب عالم قریشی کے ہاں قیام کیا تھا۔ میں ان ایام میں امرتسر میں قیام پذیر تھا۔ میں اپنے تایا ڈاکٹر محبوب عالم قریشی (ہومیو پیتھ) سے ملنے اکثر سیالکوٹ آیا کرتا تھا۔ اپنے تایا کے مکان پر میری اور ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کی پہلی ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں پہلی ملاقات میں ہی ایک درویش صفت طالب علم پایا۔

۱۹۳۹ء میں میری تقرری (ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کی کوششوں سے ہی)

گورنمنٹ انٹر میڈی ایٹ کالج جھنگ میں بطور لیکچرار کامرس (پوسٹ میٹرک کمرشل کلاس) ہوگئی۔ وہ جب بھی سیالکوٹ سے جھنگ آتے تو میرے پاس قیام کرتے۔ اپنے وطن میں اپنے والد صاحب کے ہاں اس لئے نہیں ٹھہرتے تھے کہ وہ انہیں سیالکوٹ یا لکھنؤ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس طرح میری اور ان کی دوستی میرے تایا جان کے توسط سے چل نکلی۔ جب بھی مجھے گورنمنٹ انٹر کالج جھنگ سے فراغت ملتی (یعنی تعطیلات موسم گرما، تعطیلات موسم سرما، تعطیلات موسم بہار وغیرہ) میں سیدھا امرتسر جاتا، جہاں میرے والد اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز تھے۔ پھر میں سیالکوٹ چلا جاتا جہاں میرے تایا ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے ایک سکول بھی چلا رکھا تھا۔ وہاں ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ سے بھی ملاقات ہو جاتی تھی۔

۱۹۴۰ء میں منعقدہ تاریخی اجلاس میں شرکت

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کا مشہور تاریخی اجلاس (آل انڈیا مسلم لیگ) لاہور میں شروع ہونے والا تھا۔ یہ اجلاس تین روز جاری رہنا تھا۔ یعنی جمعہ ۲۳ مارچ ہفتہ ۲۴ مارچ اور اتوار ۲۵ مارچ ۱۹۴۰ء۔ ان ایام میں دفعتہً ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ جھنگ تشریف لائے اور اپنے والد صاحب کے گھر ٹھہرنے کی بجائے میرے ہاں ٹھہرے۔ مجھے انہوں نے مشورہ دیا کہ آؤ لاہور چلیں اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں متواتر تین روز شرکت کریں۔ میں نے عرض کی کہ میں اس وقت سرکاری ملازم ہوں اور میری ملازمت کا یہ پہلا سال ہے۔ کوئی دشمن رپورٹ کر دے گا کہ اس نے کیوں ایک سیاسی جلسے میں شرکت کی۔ فرید صاحب نے کہا کہ اس اجلاس میں مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ خطے کا ریزولیوشن پاس ہوگا اور قائداعظم محمد علی جناح بنفس نفیس اس کی صدارت کریں گے اس لحاظ سے یہ ایک تاریخی اجلاس ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ انشاء اللہ مسلمان ایک علیحدہ خطہ انگریز سے لے کر رہیں گے۔ چنانچہ میں نے فرید صاحب رحمہ اللہ کا مشورہ مان لیا اور دو دن کی رُخصت کی درخواست کالج میں دے دی۔ یعنی ۲۳ اور ۲۴ مارچ کی اتفاقیہ رخصت (۲۵

مارچ کو اتوار کی وجہ سے ویسے ہی تعطیل تھی) لے لی۔ درخواست میں لکھا کہ ایک اشد ضروری کام سے وطن جا رہا ہوں۔ ۲۲ مارچ کو میں اور ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ دونوں لاہور پہنچے۔ میں چونکہ طالب علمی کے زمانے میں مسلم لیگ کا والنٹیئر بھی رہا تھا اس لئے ۲۳ مارچ کے اجلاس میں ہم دونوں نے پہلی قطار میں جگہ حاصل کر لی۔ قائداعظم کی تقریر کے دوران میں نعرے لگاتا تھا اور میرے پیچھے فرید صاحب جوابی نعرہ (بمعہ حاضرین اجلاس) مل کر لگاتے تھے۔ ہم دونوں کی آواز بہت بلند تھی، اتنی بلند کہ نعروں کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت سے بھی ہم بے نیاز تھے۔ لاؤڈ اسپیکر مقررین کے لئے مختص تھا۔ مسلم لیگ زندہ باد، قائداعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے ہم دونوں پوری قوت کے ساتھ لگا رہے تھے۔ قائداعظم رحمہ اللہ ہم دونوں سے بہت خوش نظر آتے تھے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ہم دونوں کو داد دے رہے تھے۔ مولوی ابو القاسم فضل الحق نائب خلیق الزماں اور نوابزادہ لیاقت علی خاں بھی ہم کو شاباش دے رہے تھے۔

اجلاس تین روز جاری رہا، اور ہم دونوں نے تینوں روز فلک شگاف نعرے لگائے۔ اجلاس کے اختتام کے بعد فرید صاحب رحمہ اللہ تو سیالکوٹ چلے گئے اور میں اپنی ملازمت پر واپس جھنگ آ گیا۔ لالہ رگھو ناتھ رائے وائس پرنسپل گورنمنٹ انٹر کالج جھنگ نے میرے خلاف رپورٹ کر دی کہ احسان قریشی صابری نے سرکاری ملازم (لیکچرار) ہونے کے باوجود آل انڈیا مسلم کے اجلاس منعقدہ لاہور میں متواتر تین روز شرکت کی ہے۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار: ۲۳، ۲۴، ۲۵ مارچ ۱۹۴۰ء) اس مقصد کے لئے اس نے دو روز کی رخصت اتفاقیہ لی۔ تیسرے روز ویسے ہی تعطیل بوجہ اتوار تھی۔ یہ رپورٹ مسٹر ولیم ہربرٹ فلیچر آرمسٹرانگ ڈی۔ پی۔ آئی پنجاب کو ارسال کی گئی۔ کالج کے پرنسپل چار روز کی چھٹی پر تھے۔ لالہ رگھو ناتھ رائے وائس پرنسپل قائم مقام پرنسپل کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مسٹر آرمسٹرانگ ڈی۔ پی۔ آئی نے رائے بہادر مسٹر من موہن ڈپٹی ڈائریکٹر پنجاب کو میرے معاملہ میں انکوائری آفیسر مقرر کیا۔ مسٹر من موہن نے میرے خلاف تین صفحے بھر کر

لکھے کہ اسے سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیا جائے۔ گورنمنٹ سرونٹ ہوتے ہوئے اس کا کوئی حق نہ تھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کرتا۔ میرے والد صاحب جو کہ امرتسر میں اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز تھے انگریزی ڈی۔ پی۔ آئی سے ملے اور عرض کی کہ میرے لڑکے کی ملازمت کا یہ پہلا سال تھا۔ اسے گورنمنٹ سرونٹس کنڈکٹ رولز کا کوئی علم نہ تھا۔ اس کے خلاف اتنا بڑا ایکشن نہ لیا جائے۔ یہ کیس ڈیڑھ سال تک چلتا رہا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ (راقم الحروف) احسان قریشی صابری کا پے سکیل تو وہی (لیکچرار) کا رہنے دیا جائے مگر اسے جھنگ کالج سے ملتان کے گورنمنٹ ہائی سکول میں بطور کمرشل ٹیچر ٹرانسفر کر دیا جائے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۱ء میں مجھے ملتان کے گورنمنٹ ہائی سکول میں ٹرانسفر کر دیا گیا تھا۔

قادیانیت سے توبہ کرا دی

۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر عبدالسلام (نوبل پرائز والے) گورنمنٹ انٹر کالج جھنگ کی دسویں جماعت کے طالب علم تھے۔ کالج میں نویں، دسویں، فسٹ ایئر، سیکنڈ ایئر اور پوسٹ میٹرک کمرشل کلاس کی پانچ جماعتیں تھیں۔ سال ڈاکٹر عبدالسلام میٹرک کے امتحان میں پنجاب بھر میں فسٹ آئے۔ گورنمنٹ انٹر کالج جھنگ کا نام صوبہ بھر میں بہت بلند ہوا۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے والد مولوی محمد حسین دفتر ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز جھنگ میں ہیڈ کلرک تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کے تایا مولوی غلام حسین لائل پور کے ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز تھے اور اسی سال ریٹائر ہو کر جھنگ میں ہی اپنے آبائی مکان میں آ بسے تھے۔ یہ دونوں بھائی (مولوی حسین اور مولوی غلام حسین) میرے ہمسائے تھے۔ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ سے بھی ان کی علیک سلیک تھی۔ ایک بار جھنگ شہر ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کا مناظرہ ان دونوں بھائیوں سے ''احمدیت'' کے موضوع پر ہوا۔ میں اس مناظرہ میں موجود تھا اور پروفیسر صوفی ضیاء الحق بھی موجود تھے۔ تین دن مناظرہ جاری رہا۔ آخر کار یہ دونوں بھائی اس مسئلہ کو مان گئے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی ہندوستان میں تو کجا اس دنیا میں

بھی نہیں آ سکتا۔ اس بات پر مرزائیوں میں یعنی احمدیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اسے ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کی کھلی کرامت سمجھا گیا۔ قادیان میں اس سلسلہ میں فیصلہ کیا گیا کہ مولوی محمد حسین کو جھنگ سے کہیں اور ٹرانسفر کروایا جائے، جہاں اس کی ملاقات ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ سے نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ جھنگ میں اکثر آتا جاتا رہتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین کو جھنگ سے ملتان ٹرانسفر کروادیا گیا۔

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان نے اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا۔ اتفاق کی بات دیکھئے کہ راقم الحروف اور مولوی محمد حسین ۱۹۴۱ء میں اکٹھے ہی دونوں جھنگ سے ملتان تبدیلی کر دیئے گئے۔ مولوی محمد حسین کو رائے بہادر کاہن چند کھنہ (K.L. Khanna) ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز ملتان کا ہیڈ کلرک مقرر کیا گیا، اور مجھے گورنمنٹ ہائی سکول ملتان کی کمرشل کلاس کا انچارج مقرر کیا گیا۔ مولوی غلام حسین ریٹائرڈ DIS بھی اپنے بھائی کے ساتھ ملتان آ گئے۔ یہاں مرزا بشیر الدین محمود احمد نے مولوی غلام رسول راجیکے کو ملتان چھ ماہ کے لئے بھیج دیا کہ مولوی محمد حسین اور مولوی غلام حسین دونوں کو پھر سے احمدی بنایا جائے۔ مولوی غلام رسول راجیکے اس میں کامیاب ہو گئے۔ دریں اثنا میں نے بڑی کوشش کی کہ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ لکھنؤ سے ملتان صرف ایک ہفتہ کے لئے آ جائیں تا کہ ان دونوں بھائیوں کو پھر سے تائب کرادیں مگر فرید صاحب کسی وجہ سے ملتان نہ آ سکے۔

مولانا صلاح الدین یوسف مدیر ''الاعتصام'' نے قومی ڈائجسٹ کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھا ہے کہ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ نے عالم بیداری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کیوں اور کیسے کر لی؟ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بھی بنفس نفیس ان کے پاس کیسے آ گئے؟ ساٹھ ستر سال قبل یو۔پی میں ایک بزرگ تھے شاہ حسن رسول نما۔ وہ اپنے چیدہ چیدہ مریدوں کو عالم بیداری میں ہی تین منٹ کے لئے سرورِ کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کروا دیا کرتے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب میں شاہ حسن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نما کی بڑی تعریف کی ہے اور تصدیق کی ہے کہ وہ عالم بیداری میں ہی سرور کائنات ﷺ کی زیارت

کرا دیا کرتے تھے۔

۱۹۳۰ء میں پھر پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کو عالم بیداری میں غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی زیارت گولڑہ شریف میں ہی کروادی تھی۔ اس بات کا اقرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی بیشتر تقاریر میں کیا تھا۔ راقم الحروف نے خود یہ واقعہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی زبانی سنا تھا۔

مدیر ''الاعتصام'' نے اپنے مضمون کے آخر میں ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک عالم دین نہ تھے۔ وہ کیسے سعودی عرب میں عرب کے چوٹی کے علماء کے ساتھ مناظرہ کرسکتے تھے! ڈاکٹر طاہر القادری اس سلسلے میں کوئی ثبوت پیش کریں۔ اگر ڈاکٹر صاحب کوئی ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ بھی دیگر کہانیوں کی طرح اسی ٹکسال کی گھڑی ہوئی کہانی ہے جس ٹکسال سے آج کل بہت سی کہانیاں گھڑ گھڑ کر باہر آرہی ہیں۔ جناب مدیر الاعتصام صاحب! ڈاکٹر علامہ طاہر القادری نے جو کچھ لکھا ہے سو فی صد سچ لکھا ہے۔ اس مناظرہ کے گواہ ہم دو باپ بیٹا ہیں:

(۱) پیر محمد عبدالغنی قریشی، سابق اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز۔ امرتسر

(۲) راقم الحروف ڈاکٹر احسان قریشی صابری، سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج آف کامرس سیالکوٹ

سعودی علماء کے ساتھ مناظرے کا میں چشم دید گواہ ہوں

والد محترم تو فوت ہوگئے ہیں مگر راقم الحروف خدا کے فضل سے زندہ ہے۔ ہم دونوں باپ بیٹا جب عمرہ کے لئے سعودی عرب گئے ہوئے تھے تو یہ مناظرہ ہمارے سامنے ہوا تھا۔ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کو جب علم ہوا کہ ہم دونوں وہاں ہیں تو وہ ہمیں اپنے ہاں لے گئے۔

یہ واضح کر دوں کہ عرصہ ۵ سال سے میری ملاقات ڈاکٹر علامہ طاہر القادری

سے نہیں ہوئی۔ گذشتہ ماہ انہوں نے چار روز ضلع سیالکوٹ میں گذارے۔ جس رات انہوں نے تالاب مولا بخش میں تقریر کی مَیں وہاں موجود تھا۔ مَیں نے ان کی تمام تقریر سنی اور تقریر سن کر عش عش کر اُٹھا کہ بیٹے میں باپ کی نوری جبلت کس درجہ اتم قدرت نے بھر رکھی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری میرے دوست ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے صاحبزادے ہیں۔ قدرتی محبت کی وجہ سے میں نے ان سے ملنے کی بہت کوشش کی۔ مگر نوجوان نے مجھ بوڑھے کو ان سے ملنے سے روک دیا اور باوجود صد کوشش کے ۷۰ سال کا یہ بوڑھا اپنے دوست کے بیٹے سے نہ مل سکا۔ دوسرے روز میں نے چٹی شیخاں کے گاؤں جانے کی بڑی کوشش کی تاکہ اپنے محبوب دوست ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے بیٹے سے وہاں کے جلسہ میں پانچ دست منٹ مل تو لوں۔ مگر قدرت کو یہ بھی منظور نہ تھا۔ اس روز میری بیٹی مجھ سے ملنے کے لئے لاہور سے سیالکوٹ آ گئی اور میں چٹی شیخاں کے گاؤں بھی نہ جا سکا۔ میرے نواسے نے اپنے نانا کو اس گاؤں جانے نہیں دیا۔

میرا مقصد ان سطور کے لکھنے سے یہ ہے کہ کہیں یہ سمجھ نہ لیا جائے کہ مجھے یہ مضمون ڈاکٹر علامہ طاہر القادری نے خدانخواستہ لکھوایا ہے۔ میری تو ان سے گذشتہ ۵ سال سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ میں نے یہ مضمون اس واسطے لکھا ہے کہ میرے دوست ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ ایک عالم بے بدل اور فاضلِ اجل تھے۔ قائداعظم رحمہ اللہ کے والہ و شیدا تھے اور میرے ساتھ اجلاس میں نعرے لگایا کرتے تھے۔ صاحبِ کشف و کرامات تھے۔ صائم الدھر اور قائم اللّیل تھے۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی تمام زبانوں پر ان کو پورا پورا عبور تھا۔

حق تعالیٰ ان کے مرقد پر نور کی بارش کرے۔ (آمین)

نظر نہیں تو میرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغ اصیل

۳۔ مہر غلام عباس لالی کے تاثرات

مہر غلام عباس لالی جن کا تعلق کانویں والا کے ایک بڑے زمیندار خاندان سے ہے۔ پابند صوم و صلوٰۃ ،صوفی منش انسان ہیں۔ وہ انتہائی ملنسار، بامروت اور اولیاء کرام سے محبت کرنے والے ہیں۔ جب ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کانویں والا میں اقامت پذیر تھے تو موصوف کا زیادہ وقت قبلہ ڈاکٹر صاحب کی صحبت میں گزرتا تھا۔ جب مہر صاحب سے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے تاثرات قلمبند کراتے ہوئے فرمایا۔ بعد ازاں علاقہ کے ایک زمیندار اور انتہائی معزز شخصیت مہر نور محمد لالی نے بھی ان واقعات کی تصدیق کی۔

(ا) بطور طبیب و معالج ڈاکٹر صاحب کا مقام

ان کی طبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے چند ایک واقعات بیان کئے جو کہ درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر فرید الدین صاحب کا طبی مقام بہت بلند تھا۔ ایک دفعہ میرے چچا مہر مراد بخش سخت بیمار پڑ گئے۔ کافی حکماء ڈاکٹر صاحبان سے علاج معالجہ کرایا، لیکن افاقہ نہ ہوا تو انہیں علاج کے لئے دہلی میں حکیم اجمل خان کے پاس لے جایا گیا۔ حکیم اجمل خاں نے دو ماہ تک علاج کیا تو کچھ افاقہ محسوس ہوا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اگر مریض یہاں رہا تو میں اس کا علاج جاری رکھوں گا وگرنہ موسم بدلنے کے ساتھ یہ مرض عود کر آئے گا۔ اس پر میرے والد مہر محمد محسن لالی نے کہا کہ ہم مریض کو لے جا رہے ہیں۔ آپ نسخہ تجویز کر دیں۔ ہم وہاں علاج کا بندوبست کر لیں گے۔ حکیم اجمل خان نے کہا ایسا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ اس قسم کے مرض میں مریض کی حالت اور موسم کا بڑا دخل ہوتا ہے جس کے پیش نظر ادویات میں بعض اجزاء میں کمی بیشی کرنا پڑتی ہے۔ وہ لوگ مریض کو لے کر واپس آ گئے تو حکیم اجمل خان کے کہنے کے مطابق موسم کی تبدیلی کی وجہ سے مرض اور زیادہ بڑھ گیا۔

مریض کی حالت دیکھ کر ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا علاج میں کروں گا۔ چنانچہ آپ نے علاج کیا تو ان کا مرض ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا اس پر والد صاحب نے خوش ہوکر ڈاکٹر صاحب کو ایک ددھیل بھینس بمع بچہ تحفۃً پیش کی۔

ایک دفعہ میرے والد مہر محمد محسن لالی سخت بیمار ہو گئے تو حکماء نے بتایا کہ ان کا جگر خراب ہے۔ مگر ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کی تشخیص یہ تھی کہ مریض کینسر کی ایک قسم میں مبتلا ہے۔ اس بات کو کافی برس گزر گئے تو مہر صاحب کو دوبارہ تکلیف شروع ہوئی اور انہیں لاہور کے نامور اور ممتاز ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے پاس علاج کے لئے لے جایا گیا۔ انہوں نے علاج شروع کیا لیکن بیماری میں کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر ڈاکٹر الٰہی بخش نے بتایا کہ مریض کینسر کی آخری لاعلاج سٹیج میں ہے۔ اس طرح ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ نے جو بات کئی برس پہلے بتا دی تھی وہ حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔

(۲) ڈاکٹر صاحب کا زہد و تقویٰ

مہر غلام عباس لالی اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے ڈاکٹر فرید الدین کے مقام زہد و تقویٰ پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور ڈاکٹر صاحب اکٹھے کار پر سرگودھا گئے۔ گرمی کا موسم اپنے شباب پر تھا۔ پیاس سے ہمارا بُرا حال تھا سوچا کہ کہیں چل کر ٹھنڈے مشروب سے پیاس بجھاتے ہیں۔ سو ہم ایک مشہور دوکان ''پرویز سوڈا واٹر'' پر چلے آئے۔ جب میں نے اور ڈاکٹر صاحب نے مشروب پی لیا تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کس چیز کا مشروب تھا میں نے ازراہ تفنن طبع کہا کہ یہ جو کی شراب ''بیئر'' تھی۔ ڈاکٹر صاحب کا اتنا سننا تھا کہ انہوں نے حلق میں انگلی ڈال کر اسی وقت قے کر دی۔ وہ مجھ سے اتنا ناراض ہوئے کہ مجھے اکیلا چھوڑ کر واپس بس کے ذریعے کانویں والا آ گئے۔

اس واقعہ کے بعد وہ کافی عرصہ مجھ سے ناراض رہے۔ ان کی ناراضی مجھے کافی

شاق گزری۔ میں نے کچھ دوستوں کو صلح و صفائی کے لئے کہا۔ میں نے انہیں بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ وہ بیئر (شراب) نہیں بلکہ جو کا سادہ مشروب تھا۔ تب انہوں نے مجھے معاف کر دیا۔ اس واقع سے ان کے تقویٰ و طہارت کے عالم کا پتہ چلتا ہے۔

(۳) ڈاکٹر صاحب پیکرِ شرم و حیاء

مہر غلام عباس صاحب بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب میں شرم و حیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کبھی کسی سے بد خلقی اور سوءِ ادب سے پیش نہ آئے۔ وہ رفعِ حاجات کے لئے گاؤں سے کافی دور جایا کرتے تھے۔ اونچی آواز سے قہقہہ لگانے سے پرہیز فرماتے تھے۔ وہ کہا کرتے کہ بلند آواز سے قہقہہ لگانا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور دلوں کو مردہ کر دیتا ہے۔

(۴) ڈاکٹر صاحب غایت درجہ مونس و غم خوار

مہر غلام عباس صاحب ڈاکٹر صاحب کی حد درجہ رحم دلی اور غمگساری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ جب میرا جوان بیٹا جاوید جو اس وقت فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا۔ قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا تو ڈاکٹر صاحب تعزیت کے لئے کانویں والا میں تشریف لائے، جوان مرگ بیٹے کی جدائی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اس موقعہ پر آپ نے ایک واقعہ سنایا۔ کہنے لگے کہ آپ ہی کی طرح والدین کا ایک اکلوتا بیٹا فوت ہوگیا۔ والدہ نے رو رو کر خود کو بے حال کر لیا۔ ایک رات بیٹا والدہ کو خواب میں ملا۔ کیا دیکھتی ہے کہ نوجوان لڑکوں کی ایک قطار لگی ہوئی ہے، ہر لڑکے کے ہاتھ میں ایک موم بتی روشن ہے۔ آخر میں اس کا بیٹا کھڑا ہے جس نے ہاتھ میں موم بتی تھامی ہوئی ہے اور اس کی روشنی بہت مدھم ہے۔ ماں پوچھتی ہے کہ بیٹا تمہاری موم بتی کی روشنی کو کیا ہوگیا، وہ اس قدر کم کیوں ہے تو بیٹا جواب دیتا ہے کہ ماں آپ کے آنسوؤں نے میری موم بتی کی روشنی کو مدھم کر دیا ہے۔

(۵) ڈاکٹر صاحب کی دینی خدمات

مہر غلام عباس لالی کا بیان ہے کہ ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ سے پہلے ہم لوگ صرف نام کے مسلمان تھے۔ کبھی نماز پڑھ لی اور کبھی نہ پڑھی۔ گاؤں کی مسجد میں جمعہ کی نماز کا اہتمام تھا مگر لوگوں کو زیادہ رغبت نہ تھی۔ مشکل سے ایک دو صفیں بھرتی تھیں۔ لیکن جب ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو مسجد میں تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہی۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا خطبہ سننے کے لئے دور دراز دیہات سے زمیندار اور دوسرے لوگ آتے۔ آپ خطبہ فی سبیل اللہ دیا کرتے تھے۔ آپ کی تقریر کی اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ جہاد کے موضوع پر خطاب کر رہے تھے تو ہر شخص پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے تیار ہو گیا۔

آپ کی شیخ الحدیث مولانا سردار احمد رحمہ اللہ (فیصل آباد) سے حد درجہ عقیدت تھی۔ اس کا عملی مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب آپ نے انہیں جامع مسجد کانویں والا میں خطاب فرمانے کی دعوت دی۔

(۶) مرزائیوں سے مقابلہ

آپ جن دنوں کانویں والا میں مقیم تھے۔ ایک قریبی گاؤں صدیق آباد مرزائیوں کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا، جو کانویں والا سے فاصلے پر واقع تھا۔ مرزائیوں نے منصوبہ بنایا کہ کانویں والا کے زمینداروں کو کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ ملا لیں۔ اور ان کی سیاسی قوت کو اپنے تبلیغی مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ چنانچہ انہوں نے وہاں ٹھیکے لینے شروع کر دیئے۔ اور ان کی آڑ میں تبلیغ کا کام کرنے لگے۔ جب ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کو مرزائیوں کے ان عزائم کا پتہ چلا تو انہوں نے مرزائیوں سے مناظرے کئے اور اپنے دلائل سے انہیں شکست فاش دے دی۔ اس طرح پورے علاقے کو مرزائیت کے فتنے سے بچا لیا۔ اور اگر ڈاکٹر صاحب یہاں تشریف نہ لاتے تو پورا علاقہ ربوہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے مرزائیت کی زد میں آ جاتا۔

(۷) محبت اہل بیت و محبت صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل اللہ سے لگاؤ

حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ محبت رسول اور محبت اہلبیت سے سرشار تھے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء کرام کا کثرت سے ذکر کرتے بڑی مدلل تقریر کرتے جس میں اکثر دلائل قرآن وحدیث سے دیتے۔ تاریخ کا انتہائی گہرا ادراک رکھتے تھے۔

حضور ﷺ کی ذات گرامی سے آپ کو خصوصی قلبی تعلق تھا۔ آپ کو یہ شعر بہت پسند تھے:

جسے دیکھا وہ نظر آیا مستانہ محمدؐ کا
مرے مولا رہے آباد مے خانہ محمدؐ کا
اگر مانگا خدا بھی تو وہ مل گیا فوراً
بڑا دربار ہے دربار شاہانہ محمدؐ کا

آپ کو مولانا جامی رحمہ اللہ، مولانا رومی رحمہ اللہ اور اقبال رحمہ اللہ سے خصوصی نسبت تھی۔ اکثر تقریروں میں ان حضرات کے کلام کا حوالہ دیتے تھے۔ کمالات معراج النبیؐ بیان کرتے ہوئے یہ شعر بڑے والہانہ انداز سے پڑھتے۔ ؎

اگر برتر از یک بموئے پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

آپ کو حضرت جامیؒ کی یہ نعت سب سے زیادہ پسند تھی جس کا مطلع ہے:

نسیما جانب بطحا گزر کُن
زا حوالم محمدؐ را خبر کن

آپ یہ نعت پڑھ کر بے حد جھومتے اور روتے جاتے تھے۔ جب وارفتگی حد سے بڑھ جاتی تو میں انہیں تھام لیتا اور کہتا ''یار فرید اب بس'' اس پر آپ فرماتے ''عباس تمہیں

کسی سے عشق ہو جائے تو پھر پتہ چلے۔‘‘

محرم کے دنوں میں امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور واقعہ کربلا کا ذکر خاص اہتمام سے کرتے اور رقت و گریہ کی عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ حضرت علیؑ کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ ’’جناب علی کرم اللہ وجہہ کی شان کو کسی نے پہچانا ہی نہیں۔‘‘

خطابات جمعہ کے موقعوں پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا کثرت سے ذکر کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرماتے۔ صحابہ کرام کی محبت کو جز وایمان سمجھتے تھے۔

اولیاء کرام سے محبت آپ کے ریشے ریشے میں رچی بسی ہوئی تھی۔ یوں تو آپ کو تمام اولیاء کرام سے بے پناہ عقیدت تھی۔ لیکن حضرت خواجہ اویس قرنی رحمہ اللہ سے خصوصی نسبت اور لگاؤ تھا۔ حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کا ذکر کرتے اور روتے جاتے۔ پھر سلطان الاولیاء غوث صمدانی محبوب سبحانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادری جیلانی رحمہ اللہ کے عشق میں تو آپ فنا تھے۔ آپ ’’یا شیخ عبدالقادری المدد شیئاً للہ‘‘ کا ورد کثرت سے کرتے تھے۔ اسی محبت اور وظیفے کا اثر اور روحانی فیوض و برکات کا تسلسل تھا کہ جب کبھی دورانِ خطبہ کوئی چیز بھول جاتے تو چند سیکنڈ آنکھیں بند کر کے حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو یاد فرماتے جس سے بھولی ہوئی چیز یاد آجاتی۔

آپ عرس کے مواقع پر غیر شرعی حرکات کا خاص نوٹس لیتے۔ اور فرماتے کہ اس سے ثواب کی بجائے اُلٹا گناہ ملتا ہے۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا ماہانہ ختم شریف ضرور دلواتے تھے۔ کم تنخواہ کے باوجود صدقات و خیرات کرتے رہتے تھے۔ غریبوں میں بیٹھ کر زیادہ خوش ہوتے تھے۔

۴۔ حضرت صاحبزادہ فضل رسول حیدر

(جگر گوشہ محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمدؒ)

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری راسخ العقیدہ سنی اور عاشق رسول ﷺ تھے۔ اور اس امر پر شاہد آپ رحمہ اللہ کا حضرت محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمتہ کے ساتھ خصوصی تعلق کافی ہے۔ کیونکہ کسی کمزور عقیدہ کے مالک شخص سے حضرت محدث اعظم علیہ الرحمتہ کا تعلق تو درکنار آپ کا اس سے ملاقات فرمانا بھی ناممکن تھا۔حضرت محدث اعظم علیہ الرحمتہ جناب ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمتہ پر خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اور نماز عصر کے بعد آپ علیہ الرحمتہ کی ڈاکٹر صاحب سے الگ نشست ہوتی۔ اور اس وقت ڈاکٹر صاحب آپ علیہ الرحمتہ سے بعض کتب پڑھا کرتے۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب کے علاوہ آپ علیہ الرحمتہ کا کسی اور کو الگ پڑھانے کا معمول قطعاً نہ تھا۔ بلکہ آپ علیہ الرحمتہ نماز عصر سے مغرب تک پڑھنے سے منع فرمایا کرتے۔ کیونکہ اس وقت پڑھنے سے نظر کمزور ہونے کا امکان ہوتا ہے۔لیکن ڈاکٹر صاحب کو اس وقت پڑھانے کی وجہ شاید یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب کو فراغت ہی اسی وقت میسر آتی تھی، کیونکہ آپ لالیاں سے تشریف لاتے تھے اور پھر واپس بھی جانا ہوتا تھا۔ڈاکٹر صاحب نے غالبًا آپ علیہ الرحمتہ سے خیالی اور توضیح ،تلویح یہ کتب پڑھی تھیں۔ مجھے اس وقت صغرسنی کی وجہ سے آپ کے متعلق مزید معلومات نہیں ہیں۔

۵۔ حضرت علامہ صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ (فیصل آباد)

۱۷، اپریل ۱۹۹۰ء بروز پیر افطاری کے بعد الحاج محمد رشید قادری صاحب حاضر ہوئے اور انہوں نے ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے بارے میں حضرت شاہ صاحب سے تاثرات قلمبند کئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

”میں عرصہ دراز سے صاحب فراش ہوں۔ یاداشتیں بھی کمزور پڑ چکی ہیں۔مگر

پھر بھی ڈاکٹر علامہ فرید الدین القادری رحمہ اللہ کے ساتھ زندگی کی اہم یادیں وابستہ ہیں۔ وہ علم و حکمت کے پیکر، نہایت ہی متقی اور پرہیزگار اور عاشق رسول ﷺ تھے۔ مختلف مکاتب فکر میں تقابلی بحث میں ید طولیٰ رکھتے تھے، بہترین مناظر تھے۔ علماء و مشائخ کرام کی عزت و تکریم بہت زیادہ کرتے تھے۔ میں جب بھی جھنگ جاتا تو انہیں کے دولت خانہ کا مہمان بنتا۔ آپ بہترین مہمان نواز تھے۔ آپ کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ ہم رات کو تہجد کے لئے اکٹھے اُٹھتے تھے۔ میرے ساتھ اکثر مولانا محمد سلیم جھال خانوانہ ہوتے۔ اس وقت طاہر القادری صاحب کی عمر ۶ سال ہوگی۔ ہر دفعہ ان کی ایک ہی فرمائش ہوتی کہ میرے بچے طاہر بیٹے کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت کچھ بنا دے۔ اور یہ حق ہے کہ علامہ طاہر القادری صاحب آج انہیں کی دعاؤں کی بدولت بہت کچھ ہیں۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

ایک واقعہ دھوپ سڑی جھنگ کا یاد آیا ہے۔ ہوا یوں کہ ”ایک اجتماع میں عورتوں کے حصہ میں کسی شرپسند نے سانپ چھوڑ دیا۔ فوراً ایک عورت نے سانپ کو سری سے پکڑ کر باہر دور پھینک دیا۔ مجمع منتشر نہ ہوا۔ وہاں بہت سے علماء کی موجودگی میں علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے نہایت پُر جوش آواز میں فرمایا کہ جس قوم کی بیٹیوں میں اتنی جوان ہمت موجود ہے تو اس قوم کے جوانوں کا کیا حال ہوگا۔“

۶۔ معرف شاعر صاحبزادہ رفعت سلطان قادری (جھنگ)

حضرت صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے ہمراہ کئی مشاعرے پڑھنے کا موقع ملا۔ وہ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک طویل منقبت حضرت سلطان العارفین رحمہ اللہ کی انہی کے سرہانے بیٹھ کر لکھی۔ اس کا ایک مصرع ہے:

جھولی لاکھوں کی تونے بھر دی ہے

یہ منقبت انہوں نے خود مجھے سنائی۔ وہ میرے بڑے مربی اور دوست تھے۔ اکثر ان سے میرے گھر اور ان کے گھر پر صحبتیں رہیں۔ میں نے ان سے کئی مرتبہ علاج بھی کروایا۔ وہ مجید امجد، غلام محمد رنگین، شیر افضل جعفری کے ہمعصر تھے۔ وہ روایت پسند شاعر تھے۔ لکھنؤ کے فارغ التحصیل طبیب تھے۔ میں ان دنوں فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کا طالب علم تھا۔ اس وقت میں نے اپنی شاعری کی ابتدا ہی کی تھی۔ اس ابتدائی دور میں مَیں نے ایک شعر کہا:

رخ نازک کا رنگ جانفزا دونا نکھر جائے
اگر وہ گھول کر مہندی لگائیں خون بسمل میں

حکیم صاحب چونکہ لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے، تو انہوں نے حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کی نسبت کی وجہ سے مختصراً کہا کہ اردو میں گھول کر مہندی لگانا روا نہیں بلکہ ''اگر وہ پیس کر مہندی لگائیں'' کہیں تو یہ اہل زبان کی بات ہوگی۔ یہ بات مجھے آج تک یاد ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک پرہیز گار اور زاہد و عابد انسان تھے۔ جب جھنگ ہسپتال میں ان پر فالج کا حملہ ہوا تو میں اکثر وہاں ان کی خدمت میں حاضر رہتا۔ علامہ محمد طاہر القادری صاحب ان دنوں اپنے والد محترم کی خوب خدمت کرتے تھے۔ اور مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے بیٹے کو خود وصیت کی کہ ان کا جنازہ وہ خود پڑھائیں۔ وہ خوش دل، خوش مزاج لیکن درویش صفت انسان تھے۔ اس لئے اپنی شخصیت کی تشہیر کے لئے انہوں نے کبھی توجہ نہ دی۔ ان دنوں غلام محمد رنگین کا ہفت روزہ ''عروج'' جھنگ سے شائع ہوتا تھا۔ اس میں ان کی نگارشات اکثر شائع ہوا کرتی تھیں۔ وہ اُردو، فارسی، عربی پر قدرت کامل رکھتے تھے۔

علامہ طاہرالقادری صاحب کم عمر تھے اور اکثر ان کی بیاض پلٹتے پڑھتے تھے۔ وہ ایک اچھے شاعر تھے۔ اور شاعری میں رکھ رکھاؤ ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ وسیع حلقہ احباب رکھنے والے انسان تھے۔ وہ جسمانی طور پر دبلے پتلے بدن کے مالک تھے۔ شیر افضل جعفری مرحوم کے ساتھ ان کی اکثر نوک جھونک رہتی۔ وہ وسیع مطالعہ رکھتے تھے اور بڑے عالم فاضل انسان تھے۔ اپنے نامور بیٹے کی تربیت ہی ان کے بلند پایہ علمی ذوق کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

۷۔ مولانا محمد انور چیمہ

(سابق صدر جمعیت علمائے پاکستان جھنگ)

۵۹۔ ۱۹۵۸ء کا ذکر ہے میں ان دنوں گورنمنٹ کالج جھنگ میں ایف۔ ایس۔ سی کا طالب علم تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ پرانی عید گاہ میں ایک جلسہ ہو رہا ہے۔ میں وہاں اپنے والد گرامی کے ہمراہ پہنچا تو ڈاکٹر علامہ فرید الدین قادری رحمہ اللہ خطاب فرما رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک سادہ سے انسان ہیں، مگر جب انہوں نے اپنی تقریر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''مدارج النبوت سے (جو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھی) حوالے دیئے اور تصوف کے دقیق نکات بیان فرمائے تو سامعین عش عش کر اُٹھے۔ یہ میرا ان سے پہلا تعارف تھا۔ میں نے اپنے والد محترم سے ان کے بارے میں حیرت سے دریافت کیا۔ والد محترم قبلہ نے میرا ان سے تعارف کرایا اور بتایا کہ محترم ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو تصوف کے مسائل پر بڑا عبور حاصل ہے۔ وہاں سے میرا ان سے رابطہ کا آغاز ہوا۔ یہ رابطہ الحمد للہ ان کے انتقال تک قائم رہا۔

ایک مرتبہ شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ''زبدۃ الآثار'' نایاب ہوگئی۔ میں ان دنوں زرعی یونیورسٹی کا طالبعلم تھا۔ انہیں کسی نے بتایا کہ کتاب میرے پاس موجود ہے۔ میری ان سے صائم چشتی صاحب کے کتب خانہ واقع شاہی مسجد شیخ الحدیث

روڈ فیصل آباد پر ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے کتاب کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے عرض کیا کہ میرے پاس قلمی نسخہ موجود ہے، جو میں نے ایک قدیم کتاب سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے اصل قدیم کتاب طلب کی۔ میں نے ان سے دعا کے لئے کہا اور وعدہ کیا کہ میں اس کتاب کے انشاء اللہ ۰۰۰,ا نسخے شائع کروا کر مفت تقسیم کروں گا۔ یہ کتاب بعد ازاں پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی کے ترجمہ کے ساتھ نبویہ کتب خانہ داتا گنج بخش روڈ لاہور سے شائع ہوئی اور مفت تقسیم کی گئی۔ میں نے انہیں بے لوث اور ہمہ وقت خدمتِ دین کے لئے کمر بستہ پایا۔ علمائے کرام سے ان کی محبت قابل رشک تھی۔ وہ تصوف کا علم رکھنے والوں کے قدر دان تھے۔ مولانا عبدالرشید رضوی صاحب کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور انہیں استادوں کی صف میں اتھارٹی سمجھتے تھے۔ میں نے عمر بھر ان پر تصوف کا غلبہ پایا۔ اور ہمیشہ ہماری گفتگو اسی موضوع پر ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دنیا میں عمر بھر کی محنت اور کارگزاری کا انعام علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں عطا فرمایا۔ میری نظر میں اس سے بڑا انعام کوئی اور نہیں ہوسکتا کہ کسی کا بیٹا ایک بلند پایہ عالم دین بھی ہو اور اسلامی ریاست پر گہری نظر بھی رکھتا ہو۔

۸۔ حکیم حافظ سلطان محمود صاحب نول (جھنگ)

محترم ڈاکٹر فرید الدین قادری صاحب رحمہ اللہ نے بچپن میں میرے ہمراہ قرآن پاک کی تعلیم حافظ اللہ دتہ صاحب سے پائی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو سورۂ مزمل یاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ بعد ازاں وہ بیرون ملک تشریف لے گئے۔ دوبارہ ان سے ملاقات ایوب حکومت میں ایک طبی سلیکشن بورڈ میں ہوئی، جس کے وہ رُکن تھے اور جس میں انہوں نے یونانی اطباء کی سلیکشن کی۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو تصوف کے مسائل پر بڑا عبور تھا۔ عرصہ دراز سے شیخ اکرام الحق اے۔ ڈی۔ ایم و چیئرمین بلدیہ جھنگ کی اہلیہ کسی پیچیدہ مرض میں مبتلا تھی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف مجھے ہمراہ لے کر مریض کے معائنے کیلئے گئے۔ مریضہ کا دماغی توازن درست نہ تھا۔ میں مریضہ کو دیکھ کر پریشان ہوا اور نا اُمید سا ہوگیا،

مگر ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انشاء اللہ پرسوں آپ کا مریض بالکل شفا یاب ہو جائے گا اور پھر ایسا ہی ہوا۔ عین دو دن بعد ان کے ہمراہ پھر مریضہ کے معائنے کے لئے گیا تو ان کے علاج سے وہ بالکل صحت یاب ہوگئی تھی۔

وہ ایک بلند پایہ طبیب تھے اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ہم ان کی طبی گفتگو کو سمجھنے سے قاصر رہتے۔ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے وہ اکثر حضرت بابا فرید شکر گنج، رحمہ اللہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمہ اللہ کے تذکرے، کلام اور حکایات کا ذکر جھوم جھوم کر فرماتے تھے۔ وہ بہت منجھے ہوئے مقرر تھے۔ میں فقیروں کا قائل نہیں تھا مگر ان کی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ میرا نقطہ نظر تبدیل ہوگیا۔ اور میں اولیائے کرام کا قائل ہوگیا۔ وہ فاضلانہ گفتگو میں مہارت رکھتے تھے۔ تخریبی انداز فکر سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اور طبی معاملات میں کبھی نسخہ بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔

۹۔ علامہ ابو البدر محمد شمس الزماں قادریؒ

۱۹۵۵ء، ۱۹۵٦ء کی بات ہے کہ بندہ جامعہ رضویہ فیصل آباد میں زیر تعلیم تھا۔ فن کی آخری کتابیں۔ اور دورۂ حدیث شریف مکمل کیا۔ اس وقت بندہ کے ہم سبق ساتھی بہت سے اور بھی تھے۔ خصوصاً مولانا محمد معراج الاسلام صاحب موجودہ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن بندہ کے ہم سبق تھے۔ عصر کے بعد حضرت قبلہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ مغرب تک عام ملاقات فرماتے تھے۔ بندہ پر یہ حضرت کا کرم تھا کہ رات کو سوتے وقت آپ خدمت کا موقع عطا فرماتے۔

ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ اکثر تشریف لاتے۔ حضرت قبلہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ ڈاکٹر صاحب سے بہت محبت سے ملتے تھے۔ اور اپنے احباب وطلباء سے ڈاکٹر صاحب کا خوب تعارف کراتے ہوئے فرماتے یہ اہل سنت کے شیر ہیں۔ ان کے سامنے بدمذہب بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگتے ہیں۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کو حضرت قبلہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ ڈاکٹر

غلام فرید کہہ کر پکارتے تھے۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ دو سال خوب ملاقات رہی۔ ۵۸/ ۱۹۵۷ء، میں جب بندہ جھنگ شہر مسجد میاں اللہ داد مرحوم میں خطیب تھا۔ اکثر آپ رحمہ اللہ تشریف لاتے اور جمعہ کے موقع پر خطاب فرماتے۔ ان سالوں میں بہت سے جلسے ہوئے۔ مولانا محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام تشریف لاتے تو ڈاکٹر صاحب کا خصوصی خطاب شامل پروگرام ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایک عظیم خطیب، عظیم مبلغ اور بے مثال مناظر تھے۔ جھنگ صدر اور جھنگ شہر کے تمام مخالف علماء آپ کے علم کے قائل ہی نہ تھے بلکہ آپ سے بہت ڈرتے تھے۔ اور آپ سے گفتگو کرنے سے کتراتے تھے۔ آپ کی تقریر میں علمی تبحر اور دلائل کی بھرمار ہوتی۔ جب مخالفین آپ کا بیان سنتے تو جواب کی طاقت نہ ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا علمی تدبر مسلم تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات تمام حلقوں میں جانی پہنچانی تھی۔ اور آپ نے ایک عرصہ تک جھنگ اور سرگودھا کے علاقہ کو اپنی علمی خدمات سے فیض دیا۔ اور ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری کو بھی ''الولد سر لابیہ'' کے مطابق اپنے والد گرامی سے فیض ملا ہے۔ وہی تقریر میں تسلی اور علمی تبحر۔ اور دلائل کی بھرمار، آپ کو والد گرامی سے ورثہ میں ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی قبر انور پر لاکھوں رحمتیں برسائے اور ان کے فرزند ارجمند کو ان کے نقش قدم پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۱۰۔ حضرت علامہ صاحبزادہ عزیز احمدؒ

(خلیفہ مجاز سیال شریف آستانہ عالیہ مکان شریف کفری وادی سون)

جناب ڈاکٹر فرید الدین قادری مرحوم سے میرا تعارف اس وقت ہوا جب میں سند حدیث حاصل کرنے کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے حکم پر جامعہ رضویہ فیصل آباد میں کتب درسیات کا سماع کرتا تھا۔ غالباً ۱۹۵۶ء کی بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت لالیاں کے قریب موضع بصرہ اور کانواں والا میں بحیثیت ڈاکٹر تعینات تھے۔

ہفتہ کی شام اور سوموار کی صبح کو جھنگ آتے اور جاتے۔ جامع رضویہ میں تقریباً دو گھنٹہ ٹھہرتے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے حکم پر مشکٰوۃ شریف کے کسی ایک باب کا ہم مل کر مطالعہ کرتے۔ مذاکرہ ہوتا رہتا۔ جب ہم سمجھنے سمجھانے پر مطمئن ہو جاتے۔ تب ڈاکٹر صاحب اپنی منزل کی طرف روانہ ہوتے۔ ڈاکٹر صاحب کو متقدمین اور متاخرین کی دستیاب اور نایاب دونوں قسم کی کتابوں کا شوق تھا۔ ملک اور بیرون ملک جس قدر کتابیں تلاش کر سکے وہ ضرور حاصل کیں۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق تفاسیر اور احادیث کی سینکڑوں کتابوں سے اپنی لائبریری کو سجایا ہوا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ کتابوں کو جمع کیا۔ بلکہ پوری محنت سے کتابوں کا بھرپور مطالعہ بھی کیا۔ لغت پر اتنے حاوی تھے کہ قاموس اور منتھی العرب کا خاصا حصہ انہیں از بر تھا۔ دوران گفتگو کسی مسئلے پر حوالہ دیتے وقت لحظہ توقف کئے بغیر کتاب کا صفحہ سطر بتا دیتے۔

متصوفین کی اکثر تصانیف کا مطالعہ کرتے۔ ایک بار میں فیصل آباد سے سرگودھا آرہا تھا تو شام پڑے مجھے لالیاں پہنچتے ہوئے خیال آیا کہ آج رات ڈاکٹر صاحب کے پاس کانواں والا بصرہ ٹھہروں۔ ان کی رہائش گاہ پر جب پہنچا تو بتی روشن کئے حضور امام المتصوفین حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمہ اللہ کا رسالہ عشرہ کاملہ کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتنی ادق کتاب جو زواہد ثلاثہ پر مکمل عبور کے بغیر سمجھ نہ آسکے۔ اس کے مطالعہ میں منہمک دیکھ کر میں نے پوچھا کہ اس کتاب کے مطالعہ میں آپ نے کیا کچھ پایا۔ فرمانے لگے کہ صاحب قال، صاحب حال کی کتاب کو کیا سمجھے گا۔ مگر اس یقین پر کتاب کھول کر آنکھوں کے سامنے رکھی کہ صاحب کتاب اپنے کرم کی خیرات ضرور مرحمت فرمائیں گے۔ قادری نسبت میں انتہائی پختہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلک اہل سنت میں نہایت راسخ تھے۔ یہی وجہ ہے کانویں اور بصرے کے لوگ نہ صرف خوش ذوق بلکہ عقائد حقہ پر جان دینے والے تھے۔ غربا اور خوشحال دونوں طبقے مذہب کے معاملے میں ان کی آواز سے متاثر تھے۔

حضور سرور عالم علیہ السلام سے قلبی نیاز اور وابستگی صحابہ کرامؓ کا احترام اور

اولیائے عظام اور سلفائے اُمت سے عقیدت ان کا جزو ایمان تھا۔ ایسے وظائف کی اکثر تلاش میں رہتے جو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں مقبولیت کا سامان مہیا کر سکے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام و المسلمین خواجہ قمرالدین سیالوی رحمہ اللہ کے متعلق روتے روتے انہوں نے دو چیزوں کا ذکر کیا۔ ایک یہ کہ حق کا احقاق اور باطل کا ابطال اور برے مذہب سے نفرت جس شدت سے آپ کرتے ہیں اس کی مثال کسی اور جگہ پر نہیں مل سکتی۔ دوسری یہ کہ حضرت علی ہجویری کی کشف المحجوب پوری تفصیل سے آپ کی شخصیت میں نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے اخلاق میں حسین کردار میں اور دکھی انسانیت کی مدد میں یقیناً یگانہ روزگار تھے۔ خداوند عالم مرحوم کو اپنی پناہ رحمت میں کروٹ کروٹ راحت بخشے۔ آمین

۱۱۔ حضرت مولانا تصور حسین شاہ

(مدرس مدرسہ غوثیہ حسوبلیل)

حسوبلیل کا قصبہ جو جھنگ مظفر گڑھ روڈ پر پینتالیس (۴۵) کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں ڈاکٹر غلام فرید الدین قادری رحمہ اللہ قیام پاکستان کے بعد ایک عرصہ تک ڈسٹرکٹ کونسل کی ڈسپنسری میں اپنے فرائض منصبی سرانجام دیتے رہے۔ اس قصبہ کی مرکزی جامع مسجد غوثیہ حنفیہ میں ڈاکٹر صاحب خطابت بھی کیا کرتے تھے۔ اب اسی جامعہ مسجد غوثیہ میں مسجد مکتب مدرسہ موجود ہے۔ جس میں جناب محمد افضل صاحب نقشبندی امام اور مدرس ہیں۔ جن کی بیعت شیخ المشائخ ولی کامل حضرت پیر غلام حسن سواگ نور اللہ مرقدہ سے ہے۔ اس وقت ان کی عمر ستر سال سے زائد ہے۔ انہوں نے اپنی زبانی واقعہ ہمیں سنایا۔

پہلا واقعہ

محمد افضل صاحب بیان کرتے ہیں: ''غالباً تیس سال پہلے کا واقعہ ہے کہ میں اپنے پیر و مرشد خواجہ غلام حسین سواگ رحمہ اللہ کے عرس مقدس کی محفل میں شرکت کے لئے تیار ہوا۔غریبی کا دور تھا۔ مجھے کرایہ میسر نہ ہو سکا۔ میرے دوسرے پیر بھائی تیار ہوگئے۔ لیکن میں نے ان سے کہا کہ میں مجبور ہوں۔ آپ جائیں اگر میرے خواجہ کو میری حاضری منظور ہوئی تو میں بھی آجاؤں گا۔ دل میں شوق حاضری مؤجزن تھا۔ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ ڈیوٹی دے کر جھنگ چلے گئے تھے۔ رات کو جھنگ میں قیام کیا۔ صبح ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ بغیر ناشتہ کئے حسو بلیل پہنچے۔اڈہ حسو بلیل پر عرس مبارک میں شرکت کے لئے پھر بھائی جانے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے حاجی نور دین صاحب جو ان لوگوں میں شامل تھے پوچھا'' مولوی محمد افضل صاحب کہاں ہیں'' انہوں نے بتایا کہ ان کے پاس کرایہ نہیں تھا اس لئے وہ نہیں آئے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی ڈسپنسری میں آئے۔ اپنے ملازم محمد یوسف کو بھیجا کہ جلدی جاؤ اور مولوی محمد افضل کو بلا کر لاؤ۔

مولوی محمد افضل صاحب راوی ہیں کہ جب میں ان کے پاس پہنچا تو ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے پوچھا مولوی صاحب تمہیں عرس مبارک پر جانے کے لئے کتنا کرایہ درکار ہے۔ میں نے کہا کہ جناب دس روپے درکار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے فوری طور پر جیب سے دس روپے نکالے اور مجھے دے دیئے۔ ان سے وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے۔''میں رات جھنگ اپنے مکان میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں خواجہ پیر غلام حسن سواگ رحمہ اللہ نے مجھے زیارت کا شرف بخشا اور فرمایا''فرید الدین جلدی جاؤ حسو بلیل میں میرا خاص مرید محمد افضل میرے عرس کی محفل میں شامل ہونے سے محروم ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس کرایہ نہیں ہے اسے جا کر کرایہ دے دو تا کہ وہ بھی دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر میرے پاس حاضری دے سکے۔''

ڈاکٹر صاحبؒ نے کہا''میں پہلی بس پر سوار ہو کر یہاں پہنچا ہوں تا کہ تم اپنے

ہمراہیوں کے ساتھ مل کر جاسکو۔‘‘

مولوی محمد افضل صاحب کہتے ہیں کہ میں نے دس روپے جیب میں ڈالے اور بس سٹاپ کی طرف روانہ ہوا۔ بس سٹاپ پر پہنچا تو حیران رہ گیا کہ میرے وہ پیر بھائی جو کئی گھنٹے پہلے گھر سے روانہ ہوئے تھے ابھی تک وہیں بیٹھے ہیں۔ اور جونہی میں وہاں پہنچا ادھر سے بس بھی آگئی۔ جس طرح میرے خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ کو فرمایا تھا کہ وہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر یہاں آئے اسی طرح ہوا کہ ہم سب ساتھی مل کر آستانہ عالیہ پر جو کہ تحصیل کروڑ ضلع لیہ میں ہے پہنچے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ پر بزرگان دین کی خاص کرم نوازی تھی۔

دوسرا واقعہ

جناب ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ کو ہمیشہ بزرگانِ دین مشائخ عظام کی محفل میں حاضر ہونے کا بے حد ذوق تھا۔ اکثر اولیائے کرام کی مزارات پر حاضری دیا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ ہر جمعرات کو دربار حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمہ اللہ کے مزار اقدس پر حاضری دیتے۔ ایک دفعہ آپ حسب معمول حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ رات کو جب کہ ذکر میں مشغول تھے نیند کا غلبہ محسوس ہوا۔ پھر خواب میں دیکھتے ہیں کہ نماز باجماعت ادا ہو رہی ہے میں بھی (ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ) جماعت میں شامل ہوگیا ہوں۔ نماز میں سب ہی نورانی چہروں والے لوگ شامل ہیں۔ نماز ختم ہوئی تو فوراً بعد ایک نورانی چہرے والے سفید ریش بزرگ آگے بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا۔ میں نے ان سے پوچھا جناب آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ’’فرید تم مجھے نہیں جانتے حالانکہ میں حسو بلیل میں رہتا ہوں اور میرا نام ’’سیدن شہید‘‘ ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اتنی آواز سنتے ہی بیدار ہوگئے اور نہایت حیران ہوئے کہ وہ کون شخصیت ہیں کہ میرا حسو بلیل رہتے ہوئے بھی ان سے تعارف نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم جمعہ کی صبح واپس ہوئے کیونکہ وہ جمعہ حسو بلیل کی جامعہ مسجد غوثیہ میں پڑھایا

کرتے تھے۔ حسو بلیل اڈہ پر چائے کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جس کا مالک حاجی محمود تھہیم تھا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اس سے پوچھا کہ سیدن شہید کہاں رہتے ہیں۔ حاجی محمود تھہیم دکاندار نے بتایا کہ حسو بلیل کے شمال مشرق کی جانب ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک مزار ہے جو سیدن شہید کے نام سے مشہور ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم یہ سنتے ہی سیدھے اس مزار پر پہنچے اور حاضری دی۔ بعد ازاں آپ نے یہ معمول بنا لیا اور اس مزار پر اکثر حاضری دیا کرتے تھے اور بہت فیض حاصل کیا۔

تیسرا واقعہ

جناب حاجی مکھن علی صاحب جو کہ حسو بلیل میں ہی رہتے ہیں بیان کرتے ہیں کہ جب ڈاکٹر صاحب مرحوم نے پہلی مرتبہ حج مبارک کی سعادت حاصل کی تو اس وقت واپسی پر انہوں نے اپنی زبانی ہمیں درج ذیل واقعہ سنایا۔

''میں مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ میں آقائے دو جہاں ﷺ کے در اقدس پر حاضر ہوا۔ اس وقت تک میرے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ رات کو میں نے بعد از فرائض و نوافل بارگاہ رب ذو الجلال میں اس کے محبوب پاک کے تصدق سے دعا مانگی کہ میرے اللہ! مجھے نیک اور صالح فرزند عطا فرما۔ حرم نبویؐ میں خواب میں مجھے محبوب پاک ﷺ نے اپنی زیارت کا شرف بخشا اور فرمایا کہ فرید تمہاری دعا قبول ہوگئی ہے خدائے ذوالجلال تمہیں لڑکا عطا کرے گا۔ جس کا نام طاہر رکھنا۔ اور اسے میرے دین کے لیے وقف کر دینا (آقائے دو جہاں ﷺ کے الفاظ مبارک مفہوماً نقل کئے گئے ہیں)۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کو جب اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا کیا تو اس کا نام آقا ﷺ کے فرمان کے مطابق محمد طاہر رکھا گیا۔ پھر ڈاکٹر فرید الدین صاحب رحمہ اللہ نے وہی لو ان کے دل میں لگا دی جس طرح آقا کا فرمان تھا۔ اور آج دنیا انہیں مفکر اسلام اور قائد انقلاب کے نام سے پکارتی ہے۔ یہی وہ قصبہ حسو بلیل ہے جہاں ڈاکٹر فرید الدین مرحوم

نے زندگی کی کئی بہاریں گذاریں۔ اور بشارت سرور کونین ﷺ (جناب محمد طاہر القادری) نے بھی بچپن میں چند بہاریں اسی چھوٹے سے شہر میں دیکھیں۔ اسی حسو بلیل کی جامعہ مسجد غوثیہ ہے جہاں شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے زندگی کی پہلی اذان منبر پر کھڑے ہو کر دی۔ اور اسی مسجد کا سٹیج ہے جہاں ڈاکٹر فرید الدین مرحوم نے اپنے ننھے منھے طاہر کو کھڑا کر کے تقریر کرنا سکھایا کرتے تھے۔ ادارہ منہاج القرآن کی بشارت حضرت شیخ الاسلام کو اسی جامعہ مسجد غوثیہ حنفیہ حسو بلیل میں ہوئی جو آج عالم اسلام میں مقبول ہے۔

www.MinhajBooks.com